ہفت روزہ

خدام الدین لاہور

بیاد

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی

شیرانوالہ دروازہ لاہور

۵ رمضان المبارک ۱۴۰۳ھ

۱۷ جون ۱۹۸۳ء

یکے از مطبوعات انجمن خدام الدین لاہور

ہدیہ
[illegible] روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ —— حضرت لاہوری قدس سرہ

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامًا فَاَخْبَرَنَا عَنْ بَدْءِ الْخَلْقِ حَتّٰی دَخَلَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ مَنَازِلَھُمْ وَاَھْلُ النَّارِ مَنَازِلَھُمْ حَفِظَ ذٰلِکَ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ رواہ البخاری۔

ترجمہ: عمرؓ سے روایت ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں کھڑے ہوتے بڑا کھڑا ہونا پھر آپ نے خبر دی۔ ابتدائے پیدائش سے آخر تک یہاں تک کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہوں یاد رکھا اس ساری چیز کو جس نے یاد رکھا اور اسے بھلایا جس نے اسے بھلا دیا۔

عَنْ عَائِشَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خُلِقَتِ الْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ نُّوْرٍ وَّخُلِقَ الْجَآنُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ وَّخُلِقَ اٰدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَکُمْ۔ رواہ مسلم۔

ترجمہ: عائشہ سے روایت ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں آپ نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں اور جان پیدا کیا گیا ہے شعلہ آگ دھوئیں ملے ہوئے سے اور آدمؑ کو پیدا کیا گیا ہے اس چیز سے جو تمہارے لئے بیان کی گئی ہے۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا صَوَّرَ اللّٰہُ اٰدَمَ فِی الْجَنَّۃِ تَرَکَہٗ مَا شَآءَ اللّٰہُ اَنْ یَّتْرُکَہٗ فَجَعَلَ اِبْلِیْسُ یُطِیْفُ بِہٖ یَنْظُرُ مَا ھُوَ فَلَمَّا رَاٰہُ اَجْوَفَ عَرَفَ اَنَّہٗ خُلِقَ خَلْقًا لَّا یَتَمَالَکُ۔ رواہ مسلم

ترجمہ: انسؓ سے روایت ہے تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ نے آدمؑ کو بہشت میں صورت دی جب تک اللہ نے چاہا اسے چھوڑ دیا پھر ابلیس نے ان کے پتلے کے گرد پھرنا شروع کیا دیکھتا تھا کہ یہ کیا ہے جب اسے اندر سے خالی دیکھا تو یہ سمجھ لیا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک ایسی مخلوق پیدا کی ہے جو غیر مضبوط ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِخْتَتَنَ اِبْرَاھِیْمُ النَّبِیُّ وَھُوَ ابْنُ ثَمَانِیْنَ سَنَۃً بِالْقَدُوْمِ۔ متفق علیہ

ترجمہ: ابی ہریرہ سے روایت ہے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابراہیم نبی نے اسّی سال کی عمر میں قدوم کے ساتھ ختنہ کیا

شیطانی حرکت

اَلْعَطْسَۃُ الشَّدِیْدَۃُ وَالتَّثَاؤُبُ الرَّفِیْعُ مِنَ الشَّیْطَانِ۔ (حدیث)

ترجمہ: سخت چھینک مارنا اور زور سے جمائی لینا شیطانی حرکت ہے۔ مرسلہ: محمد آصف، کیلا سکے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظلم ـ ظلم ـ ظلم

حاکمانِ وقت اور اصحابِ علم و فتویٰ توجہ فرمائیں

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دن آپ بے حد مغموم بیٹھے تھے کسی حاضر باش نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا۔ ظلم کی انتہا ہو چکی اور جہاں ایسی صورت پیدا ہو جائے وہاں حالات آخری حد تک خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ نظر آتا ہے کہ اس ظلم و زیادتی کے نتیجہ میں یہ ملک مسلمانوں کے ہاتھ میں نہ رہے گا"

جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے وہ شاہ صاحب کے اس ملفوظ کی صداقت اور سچائی پر صاد کریں گے اور تسلیم کریں گے کہ مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتوں کے زوال میں جو بنیادی عوامل کارفرما تھے ان میں ظلم و زیادتی سرِفہرست تھی ——— یہ ملفوظ ہمیں اس وقت یاد آیا جب ہم نے چند دن قبل اخبارات میں ایک ایسے شخص کے متعلق پڑھا جو تیس سال پہلے قتل کے مقدمہ میں ماخوذ ہوا۔ اور اب تیس سال بعد عدالت نے اسے رہا کیا۔ یہ رہائی تب ہوئی جب آج نہ دنیا میں گواہ موجود ہیں نہ استغاثہ کی کہانیاں بنانے والی انتظامیہ، حتیٰ کہ اس شخص کے اعزّہ و اقرباء کی ایک بڑی کھیپ اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے اور وہ شخص عجیب بے چارگی و کس مپرسی کا شکار ہے۔

یاد پڑتا ہے کہ ۱۹۷۷ء کی تحریک میں کیمپ جیل لاہور میں ہمیں ایک ایسے قیدی سے واسطہ پڑا تھا جو دس سال تک تو اپنے مقدمہ کے فیصلہ کے لئے جیلوں میں رُلتا رہا اور دس سال بعد



جلد ۲۰ ● شمارہ ۵

۱۷ جون ۱۹۸۲ء

رئیس الادارہ

شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

مجلس ادارت

مولانا محمد اجمل قادری

محمد سعید الرحمٰن علوی

ظہیر میر۔ ایم اے ایل ایل بی



دفاتر

کراچی: انجمن خدام الدین بلڈنگ

لاہور: خدام الدین

بدل اشتراک

سالانہ ——— ۸۰ روپے

ششماہی ——— ۴۵ روپے

سہ ماہی ——— ۲۵ روپے

فی پرچہ دو روپے

جا کر اسے ایک سال کی سزا ہوئی ــــ یہ قصہ ضلع اٹک کے اس قیدی سے ہم نے براہِ راست سنا، بقول اس کے جھگڑا ہوا۔ دوسری پارٹی کے ہاتھ بلے تھے۔ اسی میں دس سال بیت گئے اور دس سال بعد ایک سال کی سزا ہوئی۔ گویا اس شخص کی زندگی کے ۱۱ سال اس ماحول کی نذر ہو گئے ــــ ہم نے سنا تو دکھ ہوا لیکن ہم خود قیدی تھے اور "سرکار کے مجرم" دل پکڑ کر رہ گئے ــــ لیکن اب جو یہ خبر پڑھی تو ایک قیامت کا سماں ہمارے سامنے آ گیا اور ہم دل ہی دل میں اپنے ربّ قادر و قیوم کو مخاطب کرنے لگے "اے اللہ! تیری دھرتی پر یہ کچھ ہو رہا ہے اس ملک میں جس کے لئے کلمہ ایمان کو گلی کوچوں میں دہرایا گیا جس کے لئے بے حد نقصان برداشت کئے گئے۔ اور چھوڑ اس ملک کی عدالتوں کا یہ عالم ہے کہ وہ تیس سال تک ایک شخص کی بے چارگی سے کھیلتی اور تیس سال کے بعد رسمی معذرت کے بغیر اسے رہا کر دیتی ہیں ــ مولا! اس شخص کا کیا بنے گا؟ اس کی جوانی پوری طرح غارت ہو گئی اس کے قوائے مضمحل اور بے جان ہو گئے ــــ اس پر بیتنے والے المیہ کا کون ذمہ دار ہے؟

اسی سوچ کا ہم شکار تھے کہ لاہور کے "اکابر علماء کرام" کا ایک "ایمان افروز" بیان نظروں سے گذرا ــــ وکلاء اپنے حقوق کے ضمن میں "بھوک ہڑتال" تحریک شروع کرنے والے ہیں۔ بھوک ہڑتال کا سلسلہ تقسیم ملک سے پہلے بھی ہوتا تھا تقسیم ملک کے بعد بھی رہا۔ اس کی حیثیت ایک احتجاج کی ہے لیکن حضرات علماء کرام کی پیشانیوں پر اب شکنیں پڑیں تو وہ فتویٰ کی زبان لے کر اخبارات کی زینت بننے لگے یہ فعل انہیں خلاف اسلام نظر آنے لگا۔ یہ حضرات بڑی بڑی مساجد اور بڑے بڑے اداروں کے ذمہ دار ہیں ــــ ساتھ ہی ساتھ سرکار کے ساتھ ان کے گہرے روابط ہیں ــــ انہوں نے کبھی سرکار کو یہ مشورہ نہ دیا کہ مختلف لوگوں کو سالہا سال امتناعی نظربندی کے تحت پابند سلاسل رکھنا غلط ہے ــــ ہم گنہگاروں کا علم تو اتنا ہی ہے کہ حضور نبی مکرم قائد الاعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ واصحابہ وسلم نے بعض مجرموں کو ۲۴ گھنٹے تک تحقیق حال کے لئے نظربند رکھا ــــ ۲۴ گھنٹے سے زائد ثابت نہیں لیکن یہاں تو سالوں پہ سال گذر جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض لوگوں کے گھر جیل بنا کر ان کے اعزہ و اقربا تک کو پریشان کر دیا جاتا ہے ــــ لیکن حیرت ہے کہ ان اکابر علماء کرام کو کبھی خیال نہیں آیا۔ کہ ہماری محبوب سرکار کا یہ کام غلط ہے اور اس محبوبہ کو سمجھایا جائے، مشورہ دیا جائے اور اخبارات کے ذریعہ فتویٰ جاری کیا جائے ــــ ان علماء کرام نے (اللہ تعالیٰ ان کو سلامت باکرامت رکھے اور ان کے اعزاز و مناصب کو نظر بد نہ لگے) کبھی اس قسم کے واقعات پر صدائے احتجاج بلند نہ کی جس قسم کا یہ واقعہ ہے کہ ایک شخص کی زندگی کے تیس سال جیل میں گل گئے۔ ایک شخص کا یہ قصہ نہیں یہاں تو عدالتوں میں کیسوں کی بھرمار ہے، مقدمات کا طومار ہے ــــ ان مقدمات کو نمٹانے والوں نے اور کئی قسم کی ذمہ داریاں اپنے سر لے رکھی ہیں۔ چھوٹے درجہ کے لوگ تو نظم و انتظام میں مشغول

رہتے ہیں، کوئی جلسہ ہو، کوئی جلوس ہو، تقریب ہو انہیں نظر رکھنا پڑتی ہے، کبھی کبھار لاٹھی چارج کا حکم بھی دینا پڑتا ہے ــــ بڑوں کو "نظریہ ضرورت" ٹائپ مضامین لکھنے پڑتے ہیں اور اس نوع کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں کہ وہ اصل ذمہ داری کی طرف کم توجہ دے سکتے ہیں۔ نتیجہ مقدمات کی بھرمار کی شکل میں سامنے آتا ہے پھر ہمارے یہاں معاشرتی اور معاشی طور پر ایک طبقہ کی بالادستی ہے، اس طبقہ کا ایک روپ جاگیردار کا ہے ایک سرمایہ دار و صنعت کار کا، کچھ اور بھی روپ ہوتے ہیں ــــ ظلم و زیادتی کی گرم بازاری کرنے والے یا تو خود ارباب منصب و جاہ اور اصحاب سیم و زر ہوتے ہیں یا ان کے پالتو، اس شکل میں مظلوم جوڈیشنل ریمانڈ پر جیل میں رُلے گا نہیں تو کیا ہوگا اور اس کی زندگی کے قیمتی ایام بربادی کا شکار کیوں نہیں ہونگے؟

ان مسائل پر سوچنے کی نہ ارباب اقتدار کو فکر ہے کہ وہ غریب ملک و قوم کی خدمت ہیں اپنا "پتہ" تک مار دیتے ہیں نہ اصحاب علم و فتویٰ کو حرکت کرنے کی ضرورت ہے کہ ان کی زبانیں اور قلم اس وقت متحرک ہوتے ہیں جب "دینی اقتدار" کا سنگھاسن ڈولنے لگے ــــ نہ سیاسیین اس کی پروا کریں کہ ان کا مسئلہ محض انتخاب ہے اسی کے لئے وہ مصروف کار ہوتے ہیں۔ سو جب کوئی طبقہ بھی ظلم و زیادتی کی ان لہروں کے خلاف احتجاج نہیں کرے گا اور حالات کی ستم ظریفی کو دیکھ کر خاموش ہو کر رہ جائے گا یا مسکرا کر گذر جائے گا ــــ تو سوچیں ــــ اے مظلومانِ عالم! تمہارے حق میں کون اٹھے گا؟ کون اس اندھیری رات کے خلاف احمد بن حنبل، ابن تیمیہ اور مجدد الف ثانی (قدس سرھم) کا رول ادا کرے گا؟ کون منصور بن کر تختہ دار پر چڑھے گا؟ کون شیخ الہندؒ بن کر مالٹا کی یخ بستہ جیل میں اپنے جسمانی روگوں میں اضافہ کرے گا۔ کون عبیداللہ سندھی بن کر در در کی خاک چھانے گا۔

ہم محسوس کرتے ہیں کہ ہماری یہ جرأت و جسارت بہت سوں کو غضب آلود کر دے گی سرکار کا حاکمانہ غرور اور اس کا جاہ و جلال ہماری زبان گدی سے کھینچ سکتا اور ہمارے قلم کو توڑ سکتا ہے ــــ ارباب فتویٰ کی زبان فتویٰ ہمیں ملحد و بے دین گردان سکتی اور ضرورت کے وقت گستاخی کا مجرم گردان کر سر مقتل تماشہ بنانے کا فتوے دے سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی زمین پر جتنے دنوں جینا ہے وہ جینا ہے اور جو رات قبر کے لئے مقدر ہو چکی ہے، اسے کوئی ٹال نہیں سکتا ــــ اس لئے ہم بتوفیق الٰہی و تائید ایزدی یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیزؒ کے بقول کافر لیکن عادل حکمران کچھ دنوں چل سکتا ہے ــــ مسلمان لیکن ظالم ــــ اپنا بھی ستیاناس کرے گا اور اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے ڈوبے گا ــــ اس لئے اے حاکمانِ وقت! اس سے پہلے کہ کسی کی غلامی کا جوا (خدانخواستہ) ہمارے گلے کی زینت ہو تمہیں ہوش میں آ جانا چاہئے اور اے اصحاب علم و فتوے! تسلیم کہ تم ہر دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے علم و فتویٰ کو ڈھال سکتے ہو لیکن اگر وہ کھونٹا ہی نہ رہا اور تمہارے ادارے مقفل کر کے تمہیں کسی کولہو کا نگران بنا دیا گیا؟ اس میں جوت دیا گیا تو کیا کرو گے؟

خدا کے لئے یا تو ان کو سمجھاؤ جن سے تمہارا یارانہ ہے اور یا پھر ظلم کو ظلم کہہ کر اپنے اخروی انجام کو بہتر بناؤ

(باقی ۱۰ پر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

روزہ اور قرآن کی شفاعت

پیرِ طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

بعد از خطبہ مسنونہ :-

بزرگان محترم، معزز خواتین!

جیسا کہ آپ مختلف صحبتوں میں سماعت فرما چکے ہیں، کہ رمضان اور قرآن کا آپس میں گہرا تعلق ہے اور اس ربط و تعلق کے کئی اسباب ہیں۔ اس ربط و تعلق کا زبردست مظاہرہ تراویح کا وہ مقدس عمل ہے جس کے متعلق صحبت گذشتہ میں چند گذارشات پیش کی جا چکی ہیں۔

اسی مناسبت سے سرکار دو عالم روح دو عالم محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ و سلامہ کا ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں جن میں روزہ اور قرآن دونوں کو شفاعت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔

شفاعت کے معاملہ میں یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ایک شفاعت کبریٰ ہے جس کا اعزاز صرف اور صرف ہمارے نبی مکرم علیہ السلام کو حاصل ہوگا۔ دوسری قسم کی شفاعت کا دائرہ بہت وسیع اور عام ہے۔ جملہ انبیاء علیہ السلام، معصوم اولاد اور دوسرے مقربانِ بارگاہِ الست کے ساتھ مختلف اعمال حسنہ کا شفاعت کرنا مختلف ارشاداتِ رسالت سے ثابت ہے ——— افراد جو شفاعت کریں گے وہ اپنی تمام تر عظمتوں کے باوجود اذنِ الٰہی کے پابند ہوں گے جیسا کہ سورۂ بقرہ آیۃ الکرسی میں اور سورۂ طٰہٰ میں تصریح ہے ——— آیت الکرسی میں ہے :

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔

ترجمہ : ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟

اور سورۂ طٰہٰ میں ہے :-

یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔

ترجمہ : اس روز کسی کو کسی کی سفارش نفع نہ دے گی مگر ایسے شخص کو کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی ہو اور اس شخص کے لئے بولنا پسند کر لیا ہو۔

اعمال حسنہ و صالحہ میں سے روزہ اور قرآن کی شفاعت خاص طور پر بڑی اہم ہے اور اس وقت اسی ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حوالہ سے ارشاد نبوی کا ترجمہ عرض ہے فرماتے ہیں کہ :-

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم نے فرمایا روزہ اور قرآن دونوں بندے کی شفاعت کریں گے (یعنی اس کے حق میں جو دن میں روزہ رکھے اور رات میں اس کے حضور کھڑے ہو کر اس کے کلام کی تلاوت کرے) تو روزہ عرض کرے گا ——— اے میرے پروردگار! میں نے اس بندے کو کھانے پینے اور نفس کی خواہش پورا کرنے سے روکے رکھا تھا آج میری سفارش اس کے حق میں قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا کہ میں نے اس کو رات کے سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا تھا خداوندا آج اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما ——— چنانچہ روزہ اور قرآن دونوں کی سفارش اس بندہ کے حق میں قبول فرمائی جائے گی (اور اس کے ساتھ خصوصی کرم کا معاملہ ہوگا"۔

دوستو اور عزیزو ———!

اندازہ لگائیں کہ کتنی بڑی نعمت ہے اللہ رب العزت کی ——— سال میں ایک مہینہ دن کی بھوک برداشت کرکے اور رات کا آرام تج کر ایک بندۂ خدا کتنی بڑی سعادت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ مالک الملک کی طرف سے جود و بخشش کا پروانہ نصیب ہوتا ہے ——— قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور روزہ اس کا فرض کیا ہوا ہے ——— جب یہ دونوں شفاعت کریں گے تو ان کی شفاعت رد نہ ہوگی۔ اور بات بن جائے گی اس لئے ان عبادات و اعمال صالحہ کا خوب اہتمام کریں تاکہ صبح قیامت کی سرخروئی نصیب ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

کھڑے ہو کر پانی پینا

حدیث: لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْ یَشْرَبُ وَھُوَ قَائِمٌ بِمَا فِیْہِ لَاسْتَقَاءَ ہٗ۔

ترجمہ : اگر کھڑے ہو کر پانی پینے والا اس کا نقصان جانتا تو پانی پی کر قے کر دیتا۔

مرسلہ : محمد عاطف

خطبہ جمعہ

ضبط وترتیب : علوی

روزہ

تقویٰ حاصل کرنے کا مؤثر ذریعہ

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم : بسم اللہ الرحمن الرحیم :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ — صدق اللہ العلی العظیم)

بزرگانِ محترم ! برادرانِ عزیز ! سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۳ آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تین چیزوں کا ذکر فرمایا ہے۔ امّت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والتحیہ پر روزہ کی فرضیت ، پہلی امتوں پر بھی روزہ کا فرض ہونا اور روزہ سے مرتب ہونے والا فائدہ یعنی "حصول تقویٰ" ——— امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد قدس اللہ سرہ العزیز کا ترجمہ ملاحظہ ہو :۔

" مسلمانو! جس طرح ان لوگوں پر جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں روزہ فرض کر دیا گیا تھا اسی طرح تم پر بھی فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم میں پرہیزگاری پیدا ہو۔"

(ترجمان القرآن دہلی ایڈیشن ص ۱۲۹/۲)

روزہ دین اسلام

مولانا آزاد اپنے معرکۃ الآرا تفسیری فوائد میں رقمطراز ہیں :۔ رمضان میں روزے رکھنے کا حکم اور اس سلسلے میں دینِ حق کے بعض اصولی حقائق کی تعلیم نیز ان غلطیوں کا ازالہ جو اس بارے میں عام طور پر پھیلی ہوئی تھیں۔

الف : روزے کے حکم سے یہ مقصود نہیں ہے کہ انسان کا فاقہ کرنا اور اپنے جسم کو تکلیف و مشقت میں ڈالنا کوئی ایسی بات ہے جس میں پاکی و نیکی ہے بلکہ تمامتر مقصود نفس انسانی کی اصلاح و تہذیب ہے روزہ رکھنے سے تم میں پرہیزگاری کی قوت پیدا ہو گی اور نفسانی خواہشوں کو قابو میں رکھنے کا سبق سیکھ لوگے

ب : روزے کے لئے رمضان کا مہینہ اس لئے قرار پایا کہ اسی مہینے میں قرآن کا نزول شروع ہؤا اور اسی کا روزے کے لئے مخصوص ہو جانا نزول قرآن کی یادآوری و تذکیر ہے۔

ج : دین حق میں اصل آسانی ہے نہ کہ سختی۔ پس یہ سمجھنا کہ اس طرح کی عبادتوں میں سختی و تنگی اختیار کرنا۔ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا صحیح نہیں ہو سکتا۔

د : اس طرح کی عبادتوں سے مقصود خود تمہارے نفس کی اصلاح و تربیت ہے یہ بات نہیں ہے کہ جب تک فاقہ کشی کے چلّے نہ کھینچے جائیں خدا کو پکارا نہیں جا سکتا کہ اہل مذاہب کا خیال تھا۔ خدا تو ہر حال میں انسان کی پکار سننے والا اور اس کی شاہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہے۔ ایمان و اخلاص کے ساتھ جب کبھی اسے پکاروگے اس کا دروازہ رحمت تم پر کھُل جائے گا۔

ہ : روزے سے مقصود یہ نہیں ہے کہ جسمانی خواہشیں بالکل ترک کر دی جائیں بلکہ مقصود ضبط و اعتدال ہے۔ پس کھانے پینے اور زناشوئی کے معاملہ کی جو کچھ ممانعت ہے صرف دن کے وقت ہے رات کے وقت کوئی روک نہیں

(ترجمان القرآن جلد دوم)

مولانا آزاد کے ان ارشادات سے بات بخوبی سمجھی جا سکتی ہے کہ اللہ رب العزت نے اس عبادت کے ذریعہ بندہ کی اصلاح و تزکیہ نفس کا اہتمام کیا ہے نہ کہ اس سے مراد کوئی فاقہ کشی یا اس قسم کا کوئی اور معاملہ ہے جیسا کہ بعض دین کی حقیقت سے ناآشنا لوگ پروپگینڈا کرتے ہیں اللہ رب العزت کے ساتھ بندہ کا معاملہ درست و صحیح ہو جائے اور دل کو دل سے راہ ہو جائے اور بندہ یادِ الٰہی سے ہمہ وقت معمور رہے بس اتنی سی غرض ہے جملہ عبادات و اعمال صالحہ بالخصوص روزہ کی۔

صلہ "شہید"

وہ لوگ جو اس راہ کی سختیاں جھیل کر اور دن کی بھوک پیاس برداشت کر کے نیز رات کا آرام قربان کر کے بارگاہِ قدسی کی چاکری کی سعادت حاصل کر لیتے ہیں ان شہیدان و رہ نوردانِ راہِ حق کو کیا صلہ ملتا اور کیا اجر مرتب ہوتا ہے ——— آئیں حدیث رسول کی روشنی میں اس کو سنیں اور اپنے دل کی طمانیت و تسکین کا سامان فراہم کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے محدث صحابی حضور نبی مکرم علیہ السلام سے روایت ہے اور حضرات شیخین امام بخاری و امام مسلم قدس سرھما نقل کرتے ہیں نقل کرتے ہیں۔ ارشاد نبوی کا ترجمہ ہے :۔

" آدمی کے ہر اچھے عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھایا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ روزہ اس عام قانون سے مستثنیٰ اور بالاتر ہے اور بندہ کی طرف خاص میرے لئے ایک تحفہ ہے اور میں ہی (جس طرح چاہوں گا) اس کا اجر و ثواب مرحمت فرماؤں گا ۔ میرا بندہ میری رضا کے واسطے اپنی خواہشِ نفس اور اپنا کھانا پینا ترک کر دیتا ہے (تو میں خود ہی اس کی اس قربانی و ایثار کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا ——— (یاد رکھو) ——— روزہ دار کے لئے دو مسرتیں اور خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اپنے مالک و مولا کی بارگاہ میں حضوری اور شرفِ باریابی کے وقت ، اور قسم ہے کہ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی بہتر ہے (دنیا میں نفس و شیطان کے حملوں سے بچاؤ اور آخرت میں دوزخ کی آگ سے حفاظت کے لئے روزہ) ڈھال ہے۔ جب

تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو چاہیے کہ وہ بیہودہ اور فحش باتیں نہ بکے اور نہ ہی شور وشغب کرے بلکہ اگر کوئی دوسرا اس سے گالی گلوچ یا جھگڑا کرے تو کہہ دے بھائی میں تو روزہ سے ہوں (خدا کے لئے مجھے معاف کرو)

اسی طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے ایک روایت امام بخاری و امام مسلم قدس سرہما نے نقل کی جس میں ہے:-

"جنت کے دروازوں میں ایک خاص دروازہ ہے جس کا نام "باب الریان" ہے۔ اس دروازہ سے قیامت کے دن صرف روزہ داروں کا داخلہ ہوگا۔ اس کے سوا کوئی دوسرا اس سے داخل نہ ہو سکے گا اس دن پکارا جائے گا کہاں ہیں وہ بندے جو اللہ کے لئے روزہ رکھتے (اور بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاتے) وہ لوگ اس پکار پر چل پڑیں گے ان کے سوا اس دروازہ سے کوئی دوسرا داخل نہ ہو سکے گا پس جب یہ سب داخل ہو جائیں گے تو یہ بند کر دیا جائے گا پھر کسی دوسرے کا داخلہ نہ ہوگا۔

حضرت ابی امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے سرکار دو عالم علیہ السلام سے عرض کیا مجھے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیں جس سے مجھے نفع ہو؟ آپ نے ارشاد فرمایا روزہ رکھا کرو۔ اس کے مثل کوئی بھی عمل نہیں۔

بہرطور کہاں تک عرض کیا جائے گا۔ اس مقدس عبادت کے معاملہ میں احادیث بھری پڑی ہیں لیکن یہ ضروری ہے کہ آدمی کھانے پینے اور خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان وغیرہ پر بھی کنٹرول کرے۔ چغلی، غیبت، حسد، تکبر، کسی کو ایذا دینا، کسی کا حق مارنا وغیرہ جیسے جتنے برے اعمال ہیں ان کا دھندا ساتھ ساتھ چلا تو پھر حدیث کے بقول بھوک پیاس کی سختی برداشت کرنے کے سوا کوئی چیز پلے نہ پڑے گی۔

اللہ تعالیٰ اس آفت سے بچائے اور روزہ کی حقیقی برکات سے ہم سب کو بہرہ ور فرمائے۔ آمین، اللّٰہم آمین!

بقیہ: اداریہ

بصورت دیگر اس دنیا کی رسوائی کے ساتھ ساتھ آنے والی دنیا میں ظالم کی جماعت میں اٹھ کر اس کے انجام میں شریک ہونے کو تیار ہو جاؤ ــــ کہ نبی محترم کا ارشاد ہے:۔

"جو جانتے بوجھتے ظالم کا ساتھ دیتا ہے اور مقصد اسے تقویت پہنچانا ہے تو ایسے شخص کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں"

امید کہ ہماری ناچیز گذارشات پر آپ توجہ فرمائیں گے اور اصلاح احوال کی فکر کریں گے۔

خیر اندیش علاء
13-6-83

کدو کھانا

حدیث: عَلَيْكُمْ بِالْقَرْعِ فَإِنَّهُ يَشُدُّ الْفُؤَادَ وَيَزِيدُ فِي الدِّمَاغِ۔

ترجمہ: کدو کھایا کرو کیونکہ وہ دل کو مضبوط کرتا اور دماغ کو تقویت دیتا ہے۔

مرسلہ: محمد آصف
لاجپت نگر، شاہدرہ

نظارۃ المعارف القرآنیہ

برعظیم میں خدمتِ قرآنی کا ایک روشن باب

مولانا عبید اللہ انور

یہ مقالہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ محاضرات قرآنی کی آخری نشست ۶ر اپریل ۸۳ء کو انجمن کے رفیقِ کار قاضی ظفر الحق صاحب نے مولانا انور زید مجدہم کی طرف سے پڑھا۔ جسے حاضرین نے بے حد پسند کیا ــــ انجمن کے شکریہ کے ساتھ پیش خدمت ہے۔ (ادارہ)

نظارۃ المعارف القرآنیہ کے مقاصد قوم کے گوش گذار ہو چکے ہیں اور میرے دل کی یہ بات ہے کہ ان مقاصد کو اہم مقاصد خیال کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی اس کا یقین بھی رکھتا ہوں کہ موجودہ زمانہ میں مولوی عبید اللہ صاحب (سندھی) ہی صرف وہ شخص واحد ہیں جو ان مقاصد کو انجام دے سکتے ہیں، ان کی ذات خود ایک مدرسہ اور دار العلوم ہے وہ جہاں بیٹھ جائیں اس کو نظارۃ المعارف کہہ سکتے ہیں میں نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۴ء کو اس درسگاہ کو دیکھا ایک مختصر سا کمرہ فتح پوری کی مسجد کے حوالی میں ہے جو داخل مسجد ہے، چند طلبا اس وقت مصروفِ درس تھے، میں نے حیرت سے دیکھا کہ چند گریجویٹ جن کے لئے زمین پر بیٹھ کر سبق پڑھنا نہایت نفس کشی کا کام ہے بڑے شوق سے اس نفس کشی میں مشغول ہیں۔ اس سلسلہ سے بہت سی امیدیں ہیں۔ میرا جو خیال تھا کہ زمانہ حال کے موافق علماء پیدا کئے جائیں اور انگریزی خوانوں کو عالم بنایا جائے وہ اسی طریقہ سے پورا ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے۔ خدا مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے اور ندوہ (العلماء) کو چشم بصیرت کہ جو کام اس نے پیش نظر رکھا تھا وہ یہاں ہو رہا ہے۔

مولانا سندھی اور دار العلوم میں قرآنی مدرسہ (علامہ شبلی)

حضرات گرامی، ابھی آپ نے جو طویل اقتباس سماعت فرمایا یہ سیرت النبی اور الفاروق النعمان جیسی کتابوں کے مصنف اور مشہور اسکالر علامہ شبلی نعمانی کا ہے، جنہوں نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۴ء کو نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کا معائنہ کیا اور معائنہ کے بعد یہ رائے تحریر کی۔ اس ادارہ کے ایک طالب علم مرزا اسحاق بیگ مراد آبادی نے مولانا محمد علی جوہر مرحوم کے اخبار ہمدرد کو یہ رائے ارسال کی چنانچہ ہمدرد کی اشاعت ۷ر اپریل ۱۹۱۴ء میں شائع ہوئی اور ابھی حال ہی میں "نادرات شبلی" کے عنوان سے ان کو متعدد تحریرات اور مکاتیب کے ساتھ بہ سطور بھی یونیورسٹی اورینٹیل کالج کے مجلہ پر افضل حق قرشی کی وساطت سے سامنے آئی ہیں۔

اس ادارہ سے سب سے پہلے جو صاحب فارغ ہوئے ان کا نام پیر مصباح الدین احمد صدیقی ہے جو ضلع رہتک کے صدیقی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں ــــ اس خاندان کے بزرگوں کی محنت اور تبلیغ کے نتیجہ میں دہلی، گوڑگانوہ، کرنال، حصار وغیرہ اضلاع میں متعدد قبائل اسلام لائے اور اسی خاندان کے متعدد افراد کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید کیا گیا رحمہم اللہ تعالیٰ۔

پیر مصباح الدین ریٹائرڈ ڈی۔ ای۔ ایس ہیں۔ اور آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں۔ ان کے اہم ترین ساتھیوں میں مشہور خادم قرآن خواجہ عبدالحی صاحب تھے جو دہلی کی ایک دوسری درسگاہ جامعہ ملیہ جس کا سنگ بنیاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابتداء میں علی گڑھ میں رکھا پھر یہ درسگاہ دہلی منتقل ہوئی اس میں خواجہ صاحب قرآنی قرآنی علوم پڑھانے پر مامور رہے اور تقسیم ملک کے بعد اسلامیہ کالج ریلوے روڈ لاہور میں اسلامیات

کے سربراہ ۔

پیر مصباح الدین صاحب کو جو سند ملی اس پر بہ حیثیت ناظم نظارۃ المعارف مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دستخط ہیں ۔ ۲۳ شعبان ۱۳۴۴ھ کی تاریخ ہے مُہر میں مسجد فتح پوری کا عکس ہے اور ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر کی معروف آیت کریمہ کے ساتھ ساتھ انما انا قاسم واللہ یعطی کی حدیث بھی مندرج ہے۔ یہ ادارہ ۱۹۱۳ء میں دہلی میں قائم کیا گیا اور اس کے بانی و موسس اصولی طور پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ پہلے ناظم و مدرس مولانا عبیداللہ سندھیؒ، جبکہ ان کے رفیقِ کار مولانا احمد علی لاہوریؒ تھے اور رجب ۱۹۱۵ء میں مولانا سندھی اپنے استاد گرامی شیخ الہند کے حکم سے قابل تشریف لے گئے تو مولانا احمد علی اس کے ذمہ دار قرار پائے۔ ریشمی رومال کی تحریک کا راز فاش ہونے کے بعد طویل گرفتاریوں کا جو سلسلہ شروع ہوا مولانا احمد علی بھی اس کی نذر ہو گئے اور یوں یہ ادارہ وقتی طور پر بند ہو گیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے اپنی خودنوشت میں نظارۃ المعارف کے متعلق چند جملے لکھے ہیں، مولانا فرماتے ہیں:۔

حضرت شیخ الہند کے ارشاد سے میرا کام دیوبند سے دہلی منتقل ہوا ۱۳۳۱ھ میں نظارۃ المعارف قائم ہوئی اس کے سرپرستوں میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک ایک ہی طرح شریک تھے۔ حضرت شیخ الہند نے جس طرح چار سال دیوبند میں رکھ کر میرا تعارف

نظارۃ المعارف القرآنیہ کے پہلے فاضل پیر مصباح الدین کی سند پر حضرت لاہوری قدس سرہٗ کے دستخط ہیں ۔

اپنی جماعت سے کرایا اسیطرح دہلی پہنچ کر مجھے نوجوان طاقت سے ملانا چاہتے تھے۔ اس غرض کی تکمیل کے لئے دہلی تشریف لے آئے، اور ڈاکٹر انصاری سے میرا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر سے ملایا، اس طرح تخمیناً دو سال مسلمانان ہند کی اعلیٰ سیاسی طاقت سے واقف رہا۔

(سرگذشت کابل ص۱۱ مطبوعہ اسلام آباد ۱۹۸۰ء)

اس ادارہ کی ہیئت کذائی، مقاصد اور تاریخ کو سامنے رکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قیام سے شیخ الہند ان عزیزان گرامی کو قرآن کی روشنی سے منور کرانا چاہتے تھے جو حالات کی سرد مہری کا شکار ہو گئے

"دیوبندی" کی نسبت ازہری، علیگ، ندوی کی طرح محض ایک تعلیمی نسبت ہے ۔

تھے۔ اس تلخ اور افسوسناک حقیقت کو جھٹلانا بڑا مشکل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ خونی کے بعد ہندوستان بھر کا مسلمان بری طرح متاثر ہوا۔ حکومت گئی، کاروبار لٹے، مدارس اور خانقاہیں اجڑیں اور زمین ہمہ داغ داغ شد والی کیفیت پیدا ہو گئی، اس کے بعد جو دو تحریکیں تعلیم کے نام پر اٹھیں ان میں سے ایک قاسمی تحریک تھی جسے عرف عام میں دیوبندی تحریک کہا جاتا ہے اور دوسری علیگڑھی تحریک۔ بعض حضرات کا دیوبندی تحریک کو ایک مکتبِ فکر کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کرنا نامناسب سی بات ہے اسلاف سے منقول علمی وراثت کی ترویج و اشاعت اور مسلمان قوم کے عہد رفتہ کی بجائے دیوبند کا مدرسہ اور دوسرے مدارس معرضِ وجود میں آئے۔ الازہر علیگڑھ ندوہ اور جامعہ ملیہ جیسی درسگاہوں کے فضلاء کو ازہری، علیگ، ندوی اور جامعی کہنا اگر صحیح اور یقیناً صحیح ہے تو اسی طرح دیوبندی فضلاء کو دیوبندی کہنا بھی صحیح ہے، اس سے آگے اس درسگاہ کے حوالہ سے کوئی بات عقل و دانش کے نقطہ نظر سے صحیح نہیں۔

اور پھر اربابِ علم اس بات سے بھی واقف ہیں کہ دیوبند اور علی گڑھ ہر دو تحریکات کے بانی یعنی مولانا محمد قاسم نانوتوی اور سرسید احمد خان کا آخری سرچشمۂ فیض ایک ہی تھا یعنی ولی اللہی خاندان کی تعلیمات ــ چنانچہ شیخ محمد اکرم مرحوم نے اپنی کتاب موج کوثر میں تفصیل سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ جدید علم کلام کی تدوین اور انگریز سے مصالحت جیسے نقاط کے پیش نظر ہر دو تحریکات میں شدید بُعد پیدا ہو گیا۔

سرسید احمد خان مرحوم نے جدید علم کلام وضع کر ڈالا اور انگریز سے مصالحت پر پوری قوم کو ابھارنا چاہا جبکہ ارباب دیوبند اس کے قطعاً روادار نہ تھے وہ علم کلام کے جدید اسلوب کے تو حامی تھے لیکن افکار ملی میں تغیر و تبدل ان کے نزدیک کسی طرح درست نہ تھا بلکہ وہ اسے الحاد و زندقہ سے تعبیر کرتے جبکہ انگریز سے مصالحت کو وہ اجتماعی خودکشی سے تعبیر کرتے۔ تاہم ان کی خواہش یہ تھی کہ علیگڑھ کی درسگاہ ملت کے مقاصد کے کام آئے اور اس کے ضروری تھا کہ اس بُعد اور خلیج کو پاٹا جائے۔ حضرت شیخ الہند جیسے مجدّد وقت کی نظر اس بات پر برابر تھی اور گو کہ اس ضمن میں پہلے بھی کوششیں ہو چکی تھیں لیکن ان کوششوں کو منظم شکل دینے والے حضرت شیخ الہند تھے۔

حضرت شیخ الہند کے زمانہ میں دیوبند اور علیگڑھ کے درمیان واقع خلیج پاٹنے کا سامان پیدا ہوا۔ شیخ محمد اکرام مرحوم

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

ملکی معاملات میں دونوں (مولانا نانوتوی اور سرسید) کا طریق کار مختلف تھا جنگ آزادی میں سرسید اور مولانا محمد قاسم اور ان دونوں کے ساتھوں نے حصہ لیا تھا لیکن سرسید نے ایک فریق کا ساتھ دیا تو دوسرے نے اس کے مخالف فریق کا۔ مولانا محمود حسن کو بھی علی گڑھ سے کم اختلافات نہ تھے، انہیں سرسید سے پیر بھائی یا استاذ بھائی ہونے کا بھی وہ ربط حاصل نہ تھا جو سرسید اور بعض بزرگان دیوبند کے درمیان تھا لیکن خدا کی قدرت ہے کہ ان کے زمانے میں علیگڑھ اور دیوبند کے درمیان خلیج پُر ہونے کا سامان ہوا۔

(موج کوثر ص۲۰۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء)

حضرت شیخ الہند نے اس سلسلہ میں جو پہلا قدم اٹھایا وہ ۱۹۰۶ء میں جمعیۃ الانصار کا قیام تھا جس میں علیگڑھ کے وائس چانسلر صاحبزادہ آفتاب احمد برابر شریک ہوتے پھر ۱۹۱۱ء کے دارالعلوم دیوبند کے سالانہ جلسہ دستار بندی میں صاحبزادہ صاحب شریک ہوئے اور اسی موقعہ پر دونوں درسگاہوں کے طلباء کے تبادلہ کا پروگرام طے ہوا جس کا ثمر تلخ حضرت شیخ الہند کی گرفتاری کی شکل میں سامنے آیا کہ انیس احمد نامی طالبعلم جو علیگڑھ سے تعلق رکھتے تھے، غیروں کی سی۔ آئی۔ ڈی کے فرائض انجام دینے میں لگ گئے۔ تاہم جب ۱۹۱۳ء میں نظارۃ المعارف کی بنیاد ڈالی گئی تو اس کے سرپرستوں میں علی گڑھ کے سیکرٹری نواب وقار الملک برابر کے شریک تھے اور شیخ الہند اسارت مالٹا سے جب واپس ہوئے تو تکلیف کے باوصف جامعہ ملیہ کے افتتاح کے لئے علیگڑھ گئے اور وہاں ایک تاریخی تقریر فرمائی جس کے یہ جملے ان کے ظرف کی بلندی اور حوصلہ مندی کے شاہد عدل ہیں ــ یہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۰ء مسجد علیگڑھ کی تقریر ہے۔ شیخ نے فرمایا:۔

اے نونہالان وطن، جب میں نے دیکھا کہ میرے اُس درد کے غمخوار جس میں میری ہڈیاں پگھلی جا رہی تھیں، مدرسوں اور خانقاہوں میں کم اور اسکولوں اور کالجوں میں زیادہ ہیں تو میں نے اور میرے مخلص احباب نے ایک قدم علیگڑھ کی طرف بڑھایا اور اس طرح ہم نے ہندوستان کے تاریخی مقاموں دیوبند اور علیگڑھ کا رشتہ جوڑا۔

شیخ الہند کے یہ تمام اقدامات جن میں نظارۃ المعارف بھی شامل تھا، قرآنی روح سے ملت کے نوجوانوں کو آشنا کرنے اور دونوں طبقوں کا آپس میں رشتہ جوڑنے کی غرض سے تھے ــ قرآن کے معاملہ میں آپ کے احساسات کا اندازہ مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے سامنے آنے والی اس وصیت و نصیحت سے ہو سکتا ہے جو وفات سے چند روز قبل مخصوص حضرات کو کی گئی۔

آپ نے فرمایا:ــ

میں نے جیل کی تنہائیوں میں غور کیا کہ پوری دنیائے اسلام دینی اور دنیوی حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہی ہے؟ تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن چھوڑنا دوسرے آپس میں اختلافات اور خانہ جنگی، اس لئے میں وہیں سے عزم لے کر آیا ہوں کہ

اُمتِ مسلمہ کے زوال کا سبب قرآن سے دوری اور باہمی نفرت ہے ۔ شیخ الہندؒ

قرآن کریم کی تعلیمات اور اس پر عمل کو عام کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ و جدل کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے۔

یہ بات تو اسارت مالٹا سے واپسی کی ہے کہ ان جذبات میں یہ شدت پیدا ہو چکی تھی اس سے قبل بھی آپ ان باتوں سے غافل نہ تھے چنانچہ دیوبند اور علیگڑھ جیسے واقعات کا آپس میں رشتہ جوڑنا معمولی درجہ کی بات نہ تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان مقامات میں نفرت کی دیواریں حائل ہو چکی تھیں۔ ان کو پاٹنا اسی مجدد وقت کا کام تھا۔ اور پھر نظارۃ المعارف اور اس کے بعد جامعہ ملیہ کا قیام وہ انقلاب آفریں اقدام تھے کہ شاید آج ہمیں ان کا اندازہ نہ ہو سکے۔

نظارۃ المعارف کے لئے مولانا سندھی کا انتخاب حضرت شیخ الہند کی دُوررس نگاہ نے کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا نومسلم تھے نومسلم کے جذبات جو ہو سکتے ہیں ان سے ایک زمانہ آگاہ ہے، آپ نے قرآن اس طرح پڑھا کہ وہ آپ کی روح کی گہرائیوں میں اُتر گیا اور پھر مدت العمر یہی آپ کا مشغلہ رہا اُدھر آپ کو قدرت نے وہ صلاحیتیں بخشی تھیں کہ آپ جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے ان کی زبان میں گفتگو کر کے انہیں مطمئن کرنا جانتے تھے۔ شیخ محمد اکرام مرحوم جیسا جدید تعلیم یافتہ مصنف مولانا مغربی مادیت اور مشرقی روحانیت کا حسین امتزاج قرار دیتا ہے اور مولانا کو شیخ الہند کا "دماغ" سمجھتا ہے۔

اکابر دیوبند کے افکار بالخصوص فلسفہ جہاد کے سلسلہ میں علیگڑھی احباب کو جو شبہات لاحق تھے۔ شیخ الہند خود اس کا اعتراف فرماتے کہ وہ بے بنیاد نہیں، لیکن ایسا بھی نہیں کہ انہیں حل نہ کیا جا سکے۔ اور ان کے حل کے سلسلہ میں ان کی نظر انتخاب مولانا سندھی پر پڑی۔ مولانا سندھی اس بات کو اپنے استاذ گرامی مولانا محمود حسن کا فیضان سمجھتے اور فرماتے کہ:

خدا کے فضل سے ہمیں حضرت شیخ الہند کی صحبت کے فیض سے اس مسئلے میں پورا اطمینان حاصل ہو گیا تھا چنانچہ علیگڑھ کے طلباء سے اس معاملہ میں اگر ہماری گفتگو ہوتی تو ہم انہیں جہاد کا مقصود اصلی اچھی طرح سمجھا سکتے تھے۔ (موج کوثر ص۲۰۳)

ہمارا سب کچھ حضرت شیخ الہند کا فیضان ہے۔ مولانا سندھیؒ

نظارۃ المعارف کی شکل میں یہ اسٹیج فراہم ہوئی اور مولانا کو اس کا موقعہ ملا تو مختصر وقت میں ایک ایسی کھیپ تیار ہو گئی جو سر سید احمد خان مرحوم کے فلسفہ تعاون کی بجائے عدم تعاون کی علم دار ثابت ہوئی جس کا نتیجہ جامعہ ملیہ کی شکل میں سامنے آیا۔ مولانا سندھی کے کابل تشریف لے جانے کے بعد مولانا احمد علی اس سلسلہ کو احسن طریق سے چلاتے رہے وہ مولانا سندھی کے پرانے معتمد اور حضرت شیخ الہند کے فیض یافتہ تھے ان کی گرفتاری کے بعد وہ بزم بظاہر سونی ہو گئی لیکن یہ دونوں بزرگ جہاں گئے شبلی کے الفاظ میں نظارۃ المعارف قائم کر کے بیٹھ گئے۔

مولانا سندھی نے کابل، روس اور ترکیہ میں جس طرح قرآن کی خدمت کی اس کے لئے مرحوم ظفر حسن ایبک کی آپ بیتی ملاحظہ کی جا سکتی ہے کہ آپ ایک دن اس سے غافل نہ ہوئے اور علماء کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ حضرات کو برابر قرآن پڑھاتے رہے۔ روس جیسے الحاد زدہ ملک میں آپ نے ذرہ برابر خوف محسوس نہیں کیا اور کتاب الٰہی کے معارف پھیلانے میں مشغول ہو گئے اور جب آخر میں مکہ معظمہ پہنچے تو اس سرزمین وحی پر برابر گیارہ برس کتاب مقدس کے انوار پھیلائے۔ مولانا عبیداللہ لغاری اور علامہ موسیٰ جار اللہ جیسے حضرات نے اسی دَور میں آپ سے استفادہ کیا۔ علامہ موسیٰ اس سے قبل روس میں بھی استفادہ کر چکے تھے۔ مولانا سندھی اپنی سرگذشت میں اپنے مکہ معظمہ کا محبوب ترین مشغلہ قرآن کی خدمت اور امام ولی اللہ دہلوی کی کتابوں کی تدریس قرار دیتے ہیں۔ (سرگذشت کابل ص۱۷۱)

آپ کے اسی دَور کے نوٹس ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم شیخ الجامعہ جامعہ ملیہ کے توسط سے محفوظ ہوئے اور پھر پاکستان پہنچے جن کی بنیاد پر ہائی کورٹ لاہور کی انسپکشن ٹیم کے ممبر ڈاکٹر منیر احمد مغل نے انہیں مرتب کیا جو عنقریب شائع ہونے والے ہیں ___ اور مکہ معظمہ سے واپسی کا مختصر وقت دیوبند، دہلی، لاہور، کراچی، سندھ اور دین پور شریف جو گذرا تو اسی کتاب کی خدمت میں۔ دہلی میں آپ کا قیام ان

دنوں جامعہ ملیہ میں ہوتا جہاں کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین آپ کے عزیز دوست اور بھائی مولانا سید حسین احمد مدنی کے مرید و تربیت یافتہ تھے وہ شیخ الہند، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر انصاری اور نواب وقار الملک کے سینچے ہوئے پودے کے رکھوالے تھے انہوں نے دہلی کے بہترین دماغ جامعہ میں اکٹھے کئے جنہوں نے مولانا سندھی سے قرآن پڑھا ان میں سے مولانا سعید احمد اکبر آبادی، پروفیسر مجیب، ڈاکٹر عابد حسین صاحب، خود ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور دوسرے حضرات شامل تھے ___ ادھر مولانا احمد علی کو دیکھیں تو ان سے ان کے استاذ گرامی مولانا سندھی نے باقاعدہ بیعت لی تھی کہ خدمت قرآن نہیں چھوڑنی۔ چنانچہ اس وقت سے لے کر اپنے یوم وفات ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعرات تک برابر اس سلسلہ میں مشغول رہے۔ دہلی سے گرفتاری کے بعد آپ کو راہوں ضلع جالندھر اور شملہ نظر بند رکھا گیا۔ جیسے کیسے بھی ہوا وہاں ایک آدھ مسلمان قیدی تلاش کر کے اس عہد وفا کو نبھایا اور پھر جب لاہور نظر بند ہوئے تو یہی بات رہی اور جب تھانہ نولکھا کی نظر بندی سے رہا ہوئے تو ایک دن ضائع کئے بغیر شیرانوالہ کے علاقہ میں اللہ کا نام لینا شروع کر دیا۔ اور قرآن کا درس جاری فرما دیا۔ جب آپ لاہور تشریف لائے تو پورے لاہور میں ایک جگہ درس قرآن نہ تھا لوگ مثنوی شریف کا درس دیتے۔ اس راہ میں جو مشکلات آئیں وہ آئیں لیکن "عنقا" کا آشیانہ بلند تھا اس لئے کسی چیز کی پرواہ نہ کی۔ درمیان میں ہجرت کابل کا مرحلہ آیا تو درس نہ چھوڑا۔ سفر حرمین کی نوبت آئی تو تدریس جاری رہی۔ ملک میں تبلیغی دَورے ہوئے تو جہاں پہنچے نماز باجماعت کے اہتمام کے لئے اپنی گھڑی مسجد کی گھڑی سے ملا کر وہاں کی مسجد کے اوقات نماز معلوم کرائے اور درس کا اہتمام فرمایا۔ لاہور میں علماء کے ساتھ ساتھ عوام اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے لئے دروس کے سلسلے جاری ہوئے اور پھر بچیوں کا انتظام کیا آپ کی پڑھائی ہوئی بچیاں اس وقت اللہ کے فضل سے دنیا کے مختلف حصوں میں تدریس قرآن میں مشغول ہیں۔

امام انقلاب مولانا سندھی نے حضرت لاہوری سے خدمت قرآن کی باقاعدہ بیعت لی

حال ہی میں ہمارے ایک دوست تبلیغی جماعت کے ساتھ بعض یورپین ممالک میں گئے تو وہاں سے ایک سفارت خانہ کے فرسٹ سیکرٹری کی اہلیہ کا لکھا جنہوں نے حضرت لاہوری کے تعلق سے نہ صرف دعوت کی بلکہ بتایا کہ میں اپنے استاذ گرامی کی نصیحت کو پورا کرنے کے لئے یہاں دیار غیر میں مصروف تدریس قرآن ہوں۔ لاہور میں جن حضرات نے آپ سے پڑھا ان میں جہاں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا قاری محمد طاہر قاسمی، مولانا عبدالحنان ہزاروی، مولانا عبداللہ بہلوی شجاع آباد، مولانا کفیل احمد بجنوری استاذ مدرسہ عالیہ کلکتہ، مولانا ابوالبیان حماد اور مولانا مفتی بشیر احمد پسروری شامل ہیں وہاں علامہ علاؤ الدین صدیقی مرحوم، خواجہ عبدالوحید ایڈیٹر الاسلام (انگلش)، ڈاکٹر سید محمد عبداللہ، ڈاکٹر محمد فاروق (دیال سنگھ کالج)، شیخ محمد عظیم ایڈووکیٹ، پروفیسر سعادت علی خان، ڈاکٹر عبداللطیف ایم۔ بی۔ بی۔ ایس، چوہدری عبدالرحمٰن خان ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی، مولوی بشیر احمد لدھیانوی بی۔ اے، مولوی محمد مقبول عالم بی۔ اے اور حافظ فضل الٰہی ایم۔ اے جیسے تعلیم یافتہ حضرات بھی شامل تھے۔ آپ کے درس قرآن کا اتنا شہرہ تھا کہ حضرت مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی اور مولانا حافظ عبدالرحمٰن محدث امروہی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابرین اور ارباب علم و فضل کی سفارش لے کر طلبہ آتے اور داخل ہوتے۔ اس کے علاوہ مولانا مدنی تو ہر سال دورۂ حدیث کے طلبہ کو تلقین کرتے کہ تمہارے علوم کی تکمیل مولانا احمد علی کے یہاں ہو گی۔

اس خدمت قرآن نے انہیں گوہر شب چراغ بنا دیا، اور آج کم از کم پنجاب کے طول و عرض میں جو قرآنی خدمت نظر آ رہی ہے اس کا بالواسطہ یا بلا واسطہ سبب آپ ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے ترجمہ و تفسیر لکھنے کی توفیق بخشی تو ہر مکتب فکر کے علماء نے اس کی تحسین کی۔

الغرض ۱۹۱۳ء میں دہلی سے جس سلسلہ خیر کی ابتدا بشکل نظارۃ المعارف ہوئی تھی،

(باقی ۲۵ پر)

حضرت مولانا سندھی کی تفسیر اور ڈاکٹر مغل

امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تفسیر کے ضمن میں ڈاکٹر منیر مغل کی تحقیقی کاوش کا ذکر اس سے قبل بھی "خدام الدین" میں آچکا ہے۔ دہلی کے معروف ماہنامہ "برہان" دسمبر ۸۱ء کی اشاعت کا ایک حصہ نقل کیا جا رہا ہے۔ اس سال مولانا اکبر آبادی ہجرا کانفرنس اسلام آباد میں شرکت کی غرض سے حکومت پاکستان کی دعوت پر تشریف لائے مغل صاحب اپنے استاذ محترم ڈاکٹر ہالے پوتہ کی معیت میں ان سے ملے تفسیر کا مسودہ مولانا نے دیکھا۔ واپسی پر تاثراتِ سفر کے ضمن میں آپ نے کئی قسطیں لکھیں متعلقہ حصہ پیشِ خدمت ہے۔ (علوی)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی

ابھی میں استقبالیہ میں کھڑا کمرہ پر قبضہ کرنے کی رسمی کاروائی کر ہی رہا تھا کہ محب قدیم و صمیم پروفیسر عبدالواحد ہالی پوتہ، ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ڈاکٹر منیر احمد مغل (جج) مولانا طاہر السکوتی، مسٹر محمود احمد غازی اور ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی تشریف لے آئے۔ ایک مدت کے بعد ان احباب سے ملاقات کر کے اور یہ محسوس کر کے ہم لوگوں کے ہوٹل پہنچتے ہی یہ لوگ ازراہِ کرم و اخلاص تشریف لے آئے قلبی اور روحانی مسرت ہوئی، لیکن میں ان حضرات سے پندرہ منٹ کی اجازت لے کر اپنے کمرہ میں گیا، سامان ایک جگہ رکھوایا، منہ ہاتھ دھو کر کپڑے بدلے اور اب چونکہ ڈنر کا وقت بھی ہو گیا تھا اور دوپہر کا کھانا نہ کھانے کی وجہ سے اشتہا بھی شدید تھی اس لئے میں احباب کو لے کر ڈائننگ ہال میں آیا اور کھانے کا آرڈر دیا۔ اس وقت ڈاکٹر نثار احمد فاروقی بھی اپنے کمرہ سے آ گئے اور شریکِ طعام ہوئے، کھانے کے درمیان گفتگو ہوتی رہی، اس وقت جو احباب جمع تھے ان میں صرف ایک ڈاکٹر منیر احمد مغل ایسے تھے جن سے میں پہلے سے واقف نہیں تھا۔ پروفیسر ہالی پوتہ انہیں ساتھ لائے تھے، انہوں نے موصوف کے تعارف میں فرمایا "یہ جج ہیں لیکن لیکن بہترین صلاحیتوں کے مالک ہیں، انہوں نے پروفیسر ہالی پوتہ کی زیر نگرانی مولانا عبیداللہ سندھی پر انگریزی میں ایک تحقیقی مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے اور اب آج کل مولانا کی تفسیر کو اپنی تحقیق اور حواشی کے ساتھ بڑی محنت سے آڈٹ کر رہے ہیں اور اس کا انگریزی اور اردو ایڈیشن مع ایک طویل مقدمہ کے مرتب کر رہے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی پر میری کتاب اور سندھ میں اس کی مقبولیت

اس موقع پر یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہوگا کہ مولانا عبیداللہ سندھی کو خاص سندھ عظمت و تقدس کا جو مقام رفیع حاصل ہے وہ عہدِ حاضر کی کسی شخصیت کو حاصل نہیں ہے اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا اس کے مستحق تھے بھی، مولانا کے ساتھ اس تعلق کا ہی نتیجہ ہے کہ سندھ کے علماء اور دیگر اربابِ علم و ادب میری کتاب[1] "مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد" کو بہت عزیز رکھتے اور اس کی وجہ سے کتاب کے مصنف سے محبت کرتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ہالی پوتہ کو خاکسار راقم الحروف کے ساتھ جو قلبی تعلق اور محبت ہے اس میں بڑا دخل اُن کے سندھی ہونے کو بھی ہے، اور اس محبت کی دلیل اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ میں نے ہوٹل میں قدم رکھا ہی تھا کہ ڈاکٹر مغل کے ساتھ تشریف لے آئے اور دیر تک قیام فرما رہے۔

یہ تو تھے پروفیسر ہالی پوتہ اور ڈاکٹر مغل، ان کے علاوہ باقی تینوں حضرات ادارۂ تحقیقات اسلامی جو پاکستان گورنمنٹ کا بڑا نامور اور مشہور ادارہ ہے اُس سے متعلق ہیں، مولانا السورتی جو عربی زبان و ادب کے نامور محقق اور ادیب مولانا محمد السورتی کے فرزند ارجمند اور علم و فضل میں الولد سرٌ لابیہ کے مصداق ہیں اس ادارہ میں ریڈر اور غازی اور اصلاحی صاحبان اس میں فیلو ہیں ان تینوں حضرات سے میرا تعلق پہلے سے ہے، کھانے سے فراغت کے بعد ہم سب چہل قدمی کی غرض سے ہوٹل سے باہر چلے گئے، ایک دکان پر مولانا السورتی نے پانوں سے تواضع کی۔ اس سے فراغت کے بعد ہم ہوٹل واپس آئے تو میں نے احباب سے اجازت لی اور کمرہ میں آ کر عشا کی نماز پڑھی، حسبِ معمول مطالعہ کیا اور سو گیا، پورا دن دوڑ دھوپ میں گذرا تھا اس لئے نیند بہت اچھی آئی اور روز گذشتہ کی سب تھکن دُور ہو گئی۔

دوسرے دن ناشتہ سے فارغ ہو کر میں اپنے کمرہ سے باہر نکلا تو استقبالیہ (Reception) کے سامنے پروفیسر منظور احمد، صدر شعبۂ فلسفہ کراچی یونیورسٹی اور پروفیسر خورشید احمد (ماہر اقتصادیات) مل گئے۔ دونوں سے دیرینہ تعلق ہے، بڑے تپاک سے ملے، خیریت طلبی اور مزاج پرسی کے بعد پروفیسر منظور احمد جو کانفرنس کی آرگنائزنگ کمیٹی کے بڑے فعال اور ممتاز ممبر بھی ہیں، فرمایا: کل کانفرنس شروع ہو رہی ہے، اس کی ایک کمیٹی کے دوسرے جلسہ کی صدارت آپ کو کرنی ہے، ہم نے با امید منظوری پروگرام میں آپ کا نام درج کر دیا ہے، امید ہے آپ کو اعتراض نہ ہوگا۔" میں نے پروگرام کمیٹی کا شکریہ ادا کیا اور کہا: مجھے تعمیل ارشاد میں کیا عذر ہو سکتا ہے "سر تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے"۔ اس کے بعد میں نے پروفیسر خورشید احمد سے کہا: آپ اور ڈاکٹر ظفر اسحٰق انصاری (سعودی عربیہ) دونوں نے مل کر کتاب "نذر سید ابوالاعلیٰ مودودی (Islamic Perspective) جو اسلامک فاؤنڈیشن، لندن کی طرف سے شائع ہوئی ہے اڈٹ کی ہے، میں نے اس کتاب

---

[1] اس کتاب کی تالیف کو چھتیس برس گذر گئے، نئی نسل کو اس کے سببِ تالیف کا کیا علم ہوگا۔ اس لئے مختصراً عرض یہ ہے کہ میں نے 'برہان' میں ہزاروں صفحات لکھے ہیں، لیکن میرے دو مضمون ایسے چھپے ہیں جنہوں نے برصغیر کے علمی اور دینی حلقوں میں دھوم مچا دی اور سخت ہیجان و بحران کی کیفیت پیدا کر دی: (۱) مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے ناقد" اور (۲) "جامع المجددین مرتبہ مولانا عبدالباری ندوی پر تبصرہ" اول الذکر مقالہ لکھنے کی تقریب یہ ہوئی کہ مولانا عبیداللہ سندھی کے انتقال کے بعد معارف اعظم گڈھ میں مولوی مسعود احمد ندوی کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں مضمون نگار (باقی ص ۱۷ پر)

بقیہ حاشیہ: نے مولانا پر الحاد و زندقہ کا الزام لگایا تھا۔ میں نے یہ مضمون پڑھا اور سخت طیش کے عالم میں اسی وقت اس کا جواب لکھنے بیٹھ گیا۔ جو سات قسطوں میں شائع۔ اس مقالہ نے ملک میں دھوم مچا دی اور دفتر برہان میں خطوں کا انبار لگ گیا۔ انہیں دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دن ایک پارٹی میں میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے بڑے زور سے "وہ مارا" "وہ مارا" کہتے ہوئے پیچھے سے میرے دھپ مارا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو بابائے اردو مولوی عبدالحق تھے۔ میں کھڑا ہو گیا اور پوچھا: مولانا! آپ کیا فرما رہے ہیں! کس نے مارا اور کس کو مارا؟ میں سمجھ نہیں سکا" مولانا کڑک کر بولے: ارے میاں! وہی تمہارا مضمون جو 'برہان' میں نکل رہا ہے: میں نے عرض کیا: "حضرت آپ یہ کیا فرماتے ہیں، مجھے تو اطلاعات مل رہی ہیں کہ اس مضمون کا جواب دار المصنفین اعظم گڈھ، ندوۃ العلماء لکھنؤ، دفتر ترجمان القرآن، پٹھانکوٹ اور جامعۂ دار السلام، عمر آباد میں لکھا جا رہا ہے اور مضمون کے ختم ہوتے ہی چاروں طرف سے مجھ پر یورش ہوگی۔" مولانا نے بڑے زور سے کہا: غلط اور بالکل غلط، تمہارا مضمون لاجواب ہے، میں یقین دلاتا ہوں کہ ایک شخص بھی اس کے جواب میں نہیں لکھ سکے گا۔" ہوا تو واقعی یہی کہ کہیں سے کوئی تحریر جواب میں شائع نہیں ہوئی، لیکن علماء میں بحران بہت زیادہ پیدا ہوا، یہاں تک کہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم، مولانا صبغۃ اللہ بختیاری، مدراس اور چند علماء نے اس مضمون کے خلاف سخت احتجاجی خطوط مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اور مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کو لکھے، اور ان خطوط سے متاثر ہو کر ایک مرتبہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ناراضگی کے لہجہ میں فرمایا بھی کہ "بھئی! تم غریب مسعود عالم کا قصور کبھی معاف کرو گے بھی یا نہیں، بہت لکھ چکے، اب ختم کرو۔" میں نے جواب دیا "میں ہرگز ختم نہیں کروں گا۔ جب تک چور کو اس کے گھر نہیں پہنچا دوں گا دم نہ لوں گا، ہاں البتہ میری تحریر میں کوئی بات غلط اور بغیر حوالہ کے ہے تو اس کی نشاندہی ضرور کیجئے۔ میں اس پر غور کروں گا اور پھر میری بات غلط ثابت ہوئی تو میں اس سے رجوع کر لوں گا۔" مولانا نے یہ سنا اور مسکرانے لگے۔

پر "اسلامک کلچر، حیدر آباد" کے لئے ریویو لکھا ہے جو اپریل ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں طبع ہوگا۔ مگر اسلامک کلچر والے ستم یہ کرتے ہیں کہ کتاب تبصرہ نگار کے پاس نہیں چھوڑتے، واپس منگوا لیتے ہیں، چنانچہ میں نے کتاب واپس کر دی۔ اب آپ ہی ازراہِ کرم کتاب کا ایک نسخہ میری لائبریری کے لئے دے دیجئے"۔ پروفیسر خورشید صاحب نے کہا: ضرور، ابھی لیجئے اور تھوڑی دیر کے بعد کتاب اپنے دستخط کے ساتھ میرے کمرہ میں پہنچا دی۔ ابھی میں ان حضرات سے گفتگو کر ہی رہا تھا کہ جناب اے کے بروہی وزیر قانون جو کانفرنس کی تنظیمی کمیٹی کے چیرمین بھی ہیں تشریف لے آئے، نہایت شائستہ اور اعلیٰ ذوق علمی و ادبی کے انسان ہیں، ان سے ملاقات کر کے ہمیشہ طبیعت مسرور ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے مولانا السورتی اور اصلاحی صاحب آگئے۔ ان کے ساتھ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اور میں ایک کار میں بیٹھ کر شہر کی سیر کو گئے۔ جمعہ کے دن یہاں ایک بازار لگتا ہے جو جمعہ بازار کہلاتا ہے، اس کو عرب کے سوق عکاظ کا ایک نمونہ کہنا چاہیئے کیونکہ اس بازار میں بداوت کا رنگ غالب ہوتا ہے، ہر قسم کی چیزیں بافراط اور نسبتاً سستی ملتی ہیں، مرد اور خواتین سب، باستثنائے سادہ شلوار اور قمیص میں ملبوس مگر نہایت تندرست اور تنومند، سرخ و سپید اور چست۔ اس منظر کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر بعض عمارتیں دیکھیں، ہوٹل واپس آ کر قریب ہی وسیع اور کشادہ مرکزی جامع مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی۔ اب چونکہ کل سے کانفرنس شروع ہے اس لئے مندوبین کی آمد شروع ہو گئی ہے اور ہوٹل میں بڑی گہما گہمی اور چہل پہل ہے آنے والوں میں میرے لئے بہت سے چہرے نئے ہیں۔ لیکن چند احباب وہ بھی ہیں جن سے دیرینہ تعارف ہے۔ یہاں معلوم ہوا کہ ہندوستان سے آنے والوں میں ہم چھ افراد کے علاوہ چند اور اصحاب بھی تھے جو پشاور کے ایک سیمینار میں بھی مدعو تھے اور اس سے فارغ ہو کر اب اسلام آباد پہنچے تھے۔ ان حضرات کے نام یہ ہیں: (۱) ڈاکٹر ضیاء الدین احمد ڈیسائی ڈائرکٹر محکمۂ آثار قدیمہ، ناگپور، (۲) ڈاکٹر ایس. ایم انصاری، شعبۂ طبیعیات علی گڈھ مسلم یونیورسٹی، (۳) ڈاکٹر اوصاف احمد (شعبۂ اقتصادیات) جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی اور ہاں! ہمارے دیرینہ دوست ڈاکٹر برکات احمد بھی پہلے سے وہاں موجود تھے، وہ بھی شریک ہوئے، اس طرح ہندوستان کے مندوبین کی تعداد عشرۂ کاملہ ہو جاتی ہے، ہندوستان سے پانچ چھ حضرات اور مدعو تھے جن کے نام مندوبین کی فہرست میں درج تھے لیکن وہ شریک نہیں ہو سکے، پاکستان کو شامل کر کے کل ۳۲ ملکوں کے نمائندے شریکِ کانفرنس ہوئے جن میں ایک سو پندرہ نمائندے پاکستان کے تھے اور ۸۸ ممالک غیر کے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ممالک غیر کے مندوبین میں سب بڑی تعداد انڈیا کے مندوبین کی تھی، اور عالم اسلامی بین الاقوامی کانفرنسوں کے خلاف خواتین کی تعداد بھی کافی تھی، قیام کا انتظام دو جگہ تھا، ممالک غیر کے مندوبین اسلام آباد ہوٹل میں اور پاکستان کے مندوبین راولپنڈی انٹر کونٹی نینٹل ہوٹل میں ٹھہرائے گئے تھے، میاں اسلم جو پاکستان کے مندوب آج شام کو ہی لاہور سے آگئے تھے، مگر مؤخر الذکر ہوٹل میں مقیم تھے۔ میں اپنے ہوٹل میں ان کا منتظر رہا۔ صبح جب ملاقات ہوئی تو حقیقتِ حال کا علم ہوا، آج شام کو مغرب ... پروفیسر ہالی پوتہ پھر آئے مگر اس وقت ان کے ساتھ بیگم بھی تھیں جو سندھ کے ایک زنانہ کالج میں اسلامیات کی پروفیسر ہیں اور کانفرنس میں مندوب بھی ہیں، تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر منیر احمد مغل آ گئے، مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر قرآن کا انہوں نے جو انگریزی ترجمہ اپنی شرح اور حواشی کے ساتھ کیا ہے، اس کی دو بھاری بھاری ضخیم جلدیں اپنے ساتھ لیتے آئے تھے، پروفیسر ہالی پوتہ اور ڈاکٹر مغل دونوں کا اصرار تھا کہ میں ان جلدوں کو پڑھ لوں اور ان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کروں، یہ حضرات اگر اصرار نہ کرتے تب بھی دل کا تقاضا تھا کہ میں انہیں از اوّل تا آخر غور اور توجہ سے پڑھوں۔ لیکن کانفرنسوں کا عالم یہ ہوتا ہے کہ "فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی" کیونکہ مقالات کی روزانہ تین چار نشستوں کے علاوہ، لنچ، ڈنر اور عصرانہ اور دوسرے ضمنی پروگراموں کی مصروفیتیں بھی تو ہوتی ہیں جو کسی اور کام کا نہیں رکھتیں، تاہم کتاب اہم اور میری خاص دلچسپی کی تھی اس لئے جس طرح بن پڑا کتاب کا فاضلانہ مقدمہ اور

شروع کے سو صفحات تو مسلسل پڑھے اور اس کے بعد کتاب کو الٹ پلٹ کر اِدھر اُدھر سے دیکھا اور اس سے بڑی مسرت ہوئی۔ مسرت کی اصل وجہ دو تھیں: (۱) ایک یہ کہ باہمہ علم و فضل و کمال و دِقت نظر مولانا عبید اللہ سندھی میں ایک نقص یہ تھا کہ وہ تقریر و تحریر پر قدرت تامہ نہیں رکھتے تھے اور اس بنا پر تقریر میں زیادہ اور تحریر میں ان کی زبان اور قلم سے بعض اوقات ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جو ان کی نسبت غلط فہمی کا باعث ہو سکتی تھیں اور ارباب غرض اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، خود مولانا کو اس کا شاید احساس تھا۔ چنانچہ جب وہ دہلی میں مقیم تھے اور جامعہ ملیہ اسلامیہ میں رہتے تھے، ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا: افسوس ہے میں اپنے ما فی الضمیر کو کما حقہٗ ادا کرنے پر قادر نہیں ہوں اس لئے لوگ اپنی استعداد اور ذوق کے مطابق میری باتیں کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ نہیں سمجھتے اور پھر انہیں اپنے طریقہ پر بیان کرتے ہیں جس سے غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوا: بس ایک ہی حل میری سمجھ میں آیا ہے اور وہ یہ ہے کہ تم سبقاً سبقاً "حجۃ اللہ البالغہ" مجھ سے پڑھ لو اور ہر سبق کی تقریر کو قلمبند کر کے دوسرے دن مجھے دکھا دو، مجھ کو تمہاری فہم اور قلم دونوں پر اعتماد ہے، یہ کام مکمل ہو جائے گا تو میں بڑی خوشی سے اعلان کر سکوں گا کہ میرے افکار و نظریات کے بارہ میں صرف اس کتاب پر اعتماد کیا جائے"۔ میری خوش قسمتی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود مولانا مجھ کو درسِ حجۃ اللہ البالغہ کی خواہش کریں اور ساتھ ہی اپنی ترجمانی کا شرف بھی عطا فرمائیں۔ میں نے فوراً حامی بھر لی، مگر مشکل یہ تھی کہ مولانا جامعہ میں رہتے تھے اور میں شیدی پورہ (قرولباغ) میں، اور دونوں میں ۸ یا ۹ میل کی مسافت حائل تھی، مولانا نے تجویز کی کہ مسجد فتح پوری میں ایک کمرہ کا انتظام کر لیا جائے۔ ہفتہ میں تین مرتبہ مولانا جامعہ سے وہاں پہنچیں گے اور میں شیدی پورہ سے، مغرب سے عشا تک درس ہوگا اور اس کے بعد مولانا شب یہیں بسر کریں گے۔ میں نے ہر چند عرض کیا: حضرت! آپ زحمت نہ کریں، میں خود جامعہ حاضر ہو جایا کروں گا، مگر مولانا نہ مانے، فرمایا: واپسی میں اگر تمہیں کبھی بس نہ ملی تو اہلِ خانہ پریشان ہوں گے، اللہ اکبر! عالم اسلام کے اس ضعیف العمر مردِ مجاہد کا ولولۂ فیض رسانی اور اس کے لئے عزم جفاکشی! بہر حال یہ طے ہو گیا کہ درس، مسجد فتح پوری کے ایک کمرہ میں ہوگا، لیکن یہ پروگرام شروع ہونے والا تھا ہی کہ صاحبزادی کی علالت کی خبر آئی اور مولانا لاہور چلے گئے اور پھر دہلی نہ آسکے۔ کچھ دنوں کے بعد انتقال ہو گیا، اور "ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال" یہ حسرت دل کی دل میں رہ گئی، تواب ڈاکٹر مغل کی کتاب دیکھ کر بڑی خوشی اس سے ہوئی کہ مولانا جو کام مجھ سے لینا چاہتے تھے وہ ڈاکٹر مغل کے ذریعہ بحسن و خوبی ایک بڑی حد تک انجام پذیر ہو گیا۔

(۲) اور دوسری خوشی کتاب کے اس مسودہ کو دیکھ کر اس بات سے ہوئی کہ بعض حلقوں میں مولانا کی نسبت جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں وہ دُور ہو جائیں گی، مثلاً: مولانا کے متعلق ایک عام خیال ہے کہ وہ کمیونسٹ تھے۔ اس کتاب سے اس کی خاطر خواہ تردید ہوتی ہے، کیونکہ مولانا نے تفسیر میں کمیونزم پر سخت تنقید کی ہے اور اسے شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے۔

مولانا حامد علی رحمانی کو صدمہ

کالعدم جمعیۃ علماء اسلام پنجاب کے نائب امیر مولانا حامد علی رحمانی کے پرانے ساتھی اور دست راست مولانا حکیم حافظ عبدالرحمٰن ناظم عمومی جمعیۃ علماء اسلام حسن ابدال لاہور سے حسن ابدال آتے ہوئے جہلم کے نزدیک مورخہ ۲۰ر مئی بروز جمعۃ المبارک کار کے ایک حادثے میں انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حکیم صاحب مرحوم کے جنازے میں کثیر تعداد میں علماء کرام اور علاقہ بھر کے عوام اور مشہور سیاسی اور مذہبی شخصیتوں نے شرکت کی۔ جبکہ نماز جنازہ پیر طریقت حضرت مولانا خان محمد صاحب امیر مرکزیہ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان نے پڑھائی۔ حکیم صاحب مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیوہ، سات بچیاں، ایک بچہ چھوڑا ہے جو سبھی کم سن ہیں۔ اللہ رب العزت انہیں اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر

متقی حضرات کے لیے لمحۂ فکریہ

مال و جاہ کا ترک

اور

حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ

یکے از خدامِ شیخ ــــ محمد اقبال مدنی

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کو ایسے دینی ماحول میں خادمانہ تعلق نصیب فرمایا ہے جہاں تعلیم و تبلیغ، تصوف و درویشی سارے ہی دینی شعبوں سے متعلق قدیم و جدید، خواص و عوام، پختہ و خام مختلف حضرات سے واسطہ پڑتا ہے۔

اس ماحول میں جہاں باہمی محبت، خلوص، دینی خیرخواہی، دینی فضائل کے حصول کی کوشش، مال و جاہ کا ایثار، حسل من قطعک کی تعمیل کے مناظر، خدمت کے مواقع پر آگے اور جاہ کے مواقع میں سب سے پیچھے رہنے، بلکہ چھپے رہنے وغیرہ کے حالات دیکھے۔ وہاں نفس و شیطان کو انہی دینی اعمال میں اس کے برعکس ایسے جذبات بھی پیدا کرتے دیکھا کہ ان کی حرکات نے خالص دنیاداروں کو بھی مات کر دیا۔ اس پر خود اس طبقہ سے اور اس طبقہ کے قریب کے دنیادار طبقہ سے اشکالات ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے جواب کو بیان کرنے کا عرصہ سے خیال تھا، کیونکہ حضرت مرشدی (حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ) کی برکت سے اس شیطانی سازش کی حقیقت قلب پر تو بہت واضح تھی، مگر بیان پر قدرت اور اس کی لیاقت نہیں اور ناقص بیان سے بعض ناظرین کے غلط فہمی میں پڑنے کا خطرہ تھا۔

گزشتہ سال حضرت مرشدیؒ کے ارشاد سے ایک رسالہ "اکابر کا تقویٰ اور تواضع" مرتب کیا اور اب "تواضع" کی ضِد "تکبر" پر لکھا گیا۔ ان دونوں رسالوں کے مضامین سامنے آنے سے بیان آسان ہو گیا ــــ اور یہ بھی خیال ہے کہ اگر ناظرین دونوں رسالوں کو غور سے مطالعہ کے بعد اس مضمون کو دیکھیں گے، تو کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو گی اور میری بات سمجھ میں آ جائے گی، بلکہ خود اشکال ہی ختم ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بندہ اور ناظرین کو عمل کی بھی توفیق دیں۔ تفہیم کے لیے دو باتیں عرض کرتا ہوں، پھر اشکالات کے جواب عرض کروں گا۔

اوّل یہ کہ اس دیندار طبقہ میں شیطان کو کامیابی اس صورت سے ہوتی ہے کہ ہر انسان کو زندگی گزارنے کے لیے کچھ مال کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور ظلم سے بچنے کے لیے اور اپنے حقوق کی حفاظت کے لیے کچھ جاہ کی بھی ضرورت ہے۔ ان ہی دونوں چیزوں یعنی مال و جاہ کا نام دنیا ہے۔ اکثر لوگوں نے ان دونوں چیزوں کے حصول کے لیے ظاہری معروف دنیاوی ذرائع تجارت، ملازمت، حرفت وغیرہ کو اختیار کیا اور دن رات اس میں مشغول ہوتے۔ یہ لوگ دنیادار کہلاتے ہیں۔

چند ایک سمجھداروں نے دنیائے فانی میں مشغولی کی بجائے اپنے اوقات کو امورِ آخرت میں مشغول کر دیا۔ بچپن سے آخرت ہی کے متعلق علوم حاصل کیے، بڑے ہو کر دینی خدمات میں اپنے کو وقف کر دیا۔ لیکن زندگی گزارنے کے لیے ان کو بھی کچھ مال و جاہ کی ضرورت تھی۔ اس کے لیے بعضوں نے توکل کیا اور بعضوں نے شرعی اجازت سے اس معاملہ میں دنیاداروں کا تعاون حاصل کرنے کے لیے وظائف اور تنخواہ وغیرہ کی تشکیل کر لی کہ یہ لوگ ان کی ضروریات کے کفیل ہو کر ان کو دینی خدمت کے لیے فارغ رکھیں۔ یہ تشکیل دنیاداروں کے لیے بھی دارین کے لحاظ سے باعثِ برکت اور اجر ہوئی اور دینی خدام کے اجر میں بھی کوئی کمی نہیں آئی، کیونکہ انسانی ضرورت کی بنار پر خود شریعت نے کسبِ حلال کو عبادات کے بعد فرض قرار دیا اور ضرورت سے زائد کو مباح، لیکن ضرورت سے زائد جاہ کو کہ وہ اصل مقصدِ زندگی یعنی بندگی کے خلاف ہے حرام قرار دیا۔ انسان کی حقیقی ضروریات تو تھوڑی سی جاہ اور تھوڑے سے مال کے ساتھ پوری ہو جاتی ہیں، لیکن انسان کے اندر نفسانی حرص اور اپنی بڑائی و عزت کی زبردست خواہش بھی ہے جس کو پورا کرنے میں بجائے کچھ نفع کے خود انسان کو اور پورے معاشرہ کو سخت نقصانات ہوتے ہیں۔ اس لیے شرع شریف نے نفس کے ان تقاضوں کو مذموم ٹھہرایا ہے۔ جس شخص نے باقاعدہ علاج کروا کر ان غلط و ممنوع تقاضوں کو دبایا نہیں، وہ نفس کی مرادوں کو پورا کرنے کی ضرور کوشش کرتا ہے۔ دنیادار تو اپنے دنیا کے نقشوں سے یہ مقصد حاصل کرتے ہیں۔ اور دین دار کہلانے والے اپنے دینی نقشوں مثلاً علمی شہرت، شاگردوں، مریدوں کی کثرت، عبادات، اوراد، مجاہدات میں نام پیدا کرنا اور تقوے کے امور میں شور کر کے اہتمام کرنا وغیرہ سے اپنا مقصد پورا کرتے ہیں۔ ان میں بعض کی توجہ دنیا کے ایک جز و مال کی طرف ہے اور اکثر کی توجہ دوسرے جز و جاہ کی طرف ہوتی ہے کہ مال کی طرف براہِ راست توجہ کرنا ان کے منصب اور شان کے خلاف ہے اور مال مادی چیز ہے۔ اس لیے یہ عیب جلد ظاہر بھی ہو جاتا ہے، لیکن جاہ باطنی چیز ہے اور اس کی پکڑ کرنے کا ہر شخص کو حق بھی نہیں۔

یہ دینی طبقہ دنیادار عوام کالانعام کو تو خاطر ہی میں نہیں لاتا۔ جاہ کا سارا مظاہرہ اپنے ہی طبقہ کے لوگوں پر کرتا ہے انہیں کی غیبت، عیب جوئی، تحقیر اور ان میں سے بعضوں کو گرانے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ ان پر اپنی بڑائی، عزت اور اپنے تقویٰ اور تزکیہ کے اظہار کرنے کے لیے راستہ صاف ہو۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کام کرنے والے ہمیں بڑا بنا کر رکھیں۔ ہماری بات مانیں، ہم پر کوئی اعتراض نہ کریں۔ یا تو نظامت، امارت ہمارے ہاتھ میں ہو یا ہمارا عہدہ بے شک کوئی نہ ہو، لیکن قوتِ حاکمہ ہمارے ہاتھ میں ہو اور شیطان اس بات کی طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیتا کہ ان قلبی شیطانی امور سے وہ متقی زانیوں، شرابیوں اور چوروں سے بھی نیچے گر جاتا ہے، کیونکہ بڑائی خاصۂ خداوندی ہے۔ اس کو اختیار کرنے میں خدا کا مقابلہ ہے۔ اس کا تعلق شرک و کفر سے ہے جس کو شیطان نے اختیار کیا اور مردود ہوا۔ اس لیے اس بغاوت کی لائن کے جرم کی معافی ہی نہیں۔ حدیثِ پاک میں ہے: "لا یدخل الجنّة من کان فی قلبه مثقال ذرّة من کبر یعنی علی اخیه المسلم"

لیکن چونکہ نفاق کی طرح یہ پوشیدہ امر ہے اس لیے دنیا میں اس پر کوئی حد جاری نہیں ہوئی، گو اس کے نتیجہ میں متکبر کو دنیا میں بھی رسوائی اور ذلت اٹھانی پڑتی ہے اور چوری، زنا وغیرہ حیوانی جرائم کوتاہی، غفلت اور رذالت و پستی کی لائن کے جرم ہیں۔ ان پر شہادت اور ان کا یقینی ثبوت مل سکتا ہے۔ شرم و ذلت اس کے ساتھ شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے پیارے بندہ کے نقصان کی خاطر یہ حرکات پسند نہیں۔ اس نے اپنی رحمت سے ان چیزوں کو منع کیا اور نافرمانی پر دنیا اور آخرت میں ہاتھ کاٹ دینے اور پتھروں سے ہلاک کر دینے کا حکم فرمایا۔ آخرت میں دوزخ کی وعید سنائی۔ لیکن ان حرکات کے مرتکب کو اپنا قصوروار قرار دیا۔ اپنا باغی قرار نہیں دیا۔ جہاں ان گناہوں کا ذکر فرمایا وہاں ان سے توبہ کرنے والوں کے لیے اپنے ستّار، غفّار ہونے کا بیان بھی فرمایا اور مرتکب کو توبہ کی توفیق بھی جلد ہو جاتی ہے کہ ان گناہوں کی برائی بہت ظاہر اور معروف ہوتی ہے۔ خود گناہ گار اپنے افعال کو برا سمجھتا ہے، ڈرتا ہے، غفلت اور نفس کے غلبہ کی وجہ سے کر گزرتا ہے، لیکن دل سے شرمندہ ہوتا ہے، اور ندامت ہی توبہ ہے، گویا توبہ کی بڑی شرط ندامت تو موجود ہی ہوتی ہے، باقی شرائط یعنی گناہ سے الگ ہونا، آئندہ کے لیے بچنے کا عزم کرنا وغیرہ شرائط پوری کر کے توبہ کرنا آسان ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے توبہ کر کے تقویٰ

اختیار کرنے والوں کو ایسا قبول کرتے ہیں جیسا کہ کچھ ہوا ہی نہیں ۔ حدیث پاک میں ہے : التّائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ ۔ سچی توبہ کرنے والوں کے نامۂ اعمال سے بھی ان کا ذکر مٹا دیتے ہیں ۔ فرشتوں کو فراموش کرا دیتے ہیں ۔ ان کے اعضاء اور وہ مقام جہاں یہ جُرم ہُوئے وہاں سے اثرات ختم کر دیتے ہیں ، اور ان پر کوئی گواہ بھی باقی نہیں رکھتے ۔ گناہ تو مٹا دیتے ہیں اور توبہ کرنے کا نیک عمل باقی رکھتے ہیں ۔ جس پر اس تائب کو اپنا مقرّب بنا لیتے ہیں اور تائب کو جب ان حرکات کا خیال آ جاتا ہے ، تو یہ خیال تکبّر اور عُجب جیسے خبیث امراض سے محفوظ رہنے کا باعث بن جاتا ہے ۔ اس طرح ان سابقہ جرائم کو اس کی نیکیوں کے باغ کا کھاد بنا دیتے ہیں ۔ ان میں بعض حضرات دوسرے اعمال کے ذریعہ ترقی کر کے اس مقام کے ہو جاتے ہیں کہ ان سابقہ جرائم پر ندامت کی وَجہ سے ان کی سیّئات حسنات سے بدل جاتی ہیں ۔ اولٰٓئک یبدّل اللہ سیّئاتھم حسنٰت ۔

ایسا بندہ ہمیشہ بندگی کی صفات یعنی ذلّت و انکساری پر قائم ہو جاتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ اس کو اپنی طرف سے حقیقی عزّت و بلندی عطا فرماتے ہیں ۔ اب یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بندہ اپنی نظر میں تو پَست ہوتا ہے اور اللہ کی عطا کردہ جاہ سے لوگوں میں معزّز ہوتا ہے ۔ حدیث پاک میں اس حالت کے طلب کرنے کی ترغیب آئی ہے ۔ اَللّٰھُمَّ اجعلنی فی عینی صغیراً و فی اعین النّاس کبیراً ۔ اور متکبّر جو مخلوق کی نظر میں بڑا ہونے کی غلط کوشش کرتا ہے وہ اپنی ہی نظر میں بڑا ہوتا ہے ۔ اللہ تو مخلوق کی نظر میں اُس کو ذلیل کر دیتے ہیں ۔ اس مَرض کے ساتھ اس کا تقویٰ ، طہارت و کثرتِ عبادت سب کچھ اس مرض کو بڑھانے کا ذریعہ بن کر اللہ تعالیٰ سے بُعد کا سبب بنتی ہیں ۔

سب سے پہلے تکبّر کرنے والا جو سات لاکھ بَرس تک تقدس و تسبیح کا سَرمایہ اپنے ہاتھ میں رکھتا تھا اور ملائکہ کا اُستاد تھا اس نے ایک ہی دَفعہ اَنا کا لفظ نکالا تھا پھر دیکھ لو جو ہوا ۔ حدیث پاک میں ہے کہ "آدمی جنّت کے اعمال کرتا رہتا ہے ۔ یہاں تک کہ جنّت اور اس کے دَرمیان صِرف ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے ۔ آخر میں ایسا عمل کرتا ہے کہ دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے ۔ یہ اس وَجہ سے ہوتا ہے کہ اس کے اعمال میں اخلاص نہیں ہوتا ۔

حکیم الامّت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آدمی کی ظاہری حالت پر میری نظر نہیں ہوتی ، بلکہ ملکات پر ہوتی ہے ۔ اسی لیے مشائخ کو دیکھا گیا کہ وہ عامی مخلص پر زیادہ متوجّہ ہوتے ہیں اور جس متقی میں کبر محسوس کرتے ان سے قلبی بُعد ہوتا ہے ۔

جس طرح انسان راحت پر شُکر اور مصیبت پر صبر کر کے خدا سے جڑ سکتا ہے ۔ اسی طرح دونوں حالتوں کے حقوق ضائع کر کے خدا سے کٹ بھی سکتا ہے ۔ ایسے ہی کبھی اِنسان کو پرہیز گاری کی توفیق ہوتی ہے اور کبھی اس پر گناہ مَسلّط ہوتا ہے ، لیکن قلبی حالت کے اعتبار سے کبھی پرہیزگاری خدا سے کٹنے اور گناہ خدا سے جُڑنے کا باعث بَن جاتا ہے چنانچہ شیخ ابنِ عطاء اللہ اسکندری دَرویشی کی مشہور کتاب "الحکم" میں تحریر فرماتے ہیں :

"جس معصیّت سے مولائے حقیقی
کے سَامنے ذِلّت اور افتقار پیدا
ہو وہ اس عبادت سے بہتر ہے
جو نخوت و تکبّر پیدا کرے ۔"

شرح : طاعات و عبادات و اذکار کا مقصُود یہ ہے کہ بندگی اور اپنے مولیٰ کے سَامنے ذلّت و افتقار پیدا ہو اور نفس کی سَرکشی اور کبر ٹوٹے اور اگر بشریت کی راہ سے گناہ ہو جانے کے بعد مومن کے اندر ذِلّت و انکساری و ندامت اور اپنے نفس کی تحقیر اور اس گناہ سے اپنی ہلاکت جاننا یہ صَفات پیدا ہوں اور عبادت کر کے نَفس کے اندر نخوت اور مسلمانوں کی تحقیر اور طعن اور اپنے کو عابد جاننا ، یہ صَفات پیدا ہوں تو ایسی طاعت کے ثمرہ سے اس معصیّت کا نتیجہ بہتر رہا ، مگر اس کا مطلب کوئی بَد فہم یہ نہ سمجھے کہ طاعت کو چھوڑ کر معصیّت اختیار کرے ۔ معصیّت کا قبیح ہونا اور طاعت کا بہتر اور حسن ہونا بالکل ظاہر بات ہے ۔

یہاں شیخ کو اس پر آگاہ کرنا منظور ہے کہ اصل مقصود بارگاہِ عالی تک رَسائی ہے اور اس کو حاصل کرنے کے ذِلّت و

افتقار کا حاصل کرنا اور کبر و نخوت کو دُور کرنا ضروری ہے ۔

گناہ اور نافرمانی کے وَقت جسقدر تُو حِلم خداوندی کا محتاج ہے بندگی اور طاعت کرنے کے وقت اس سے زیادہ اس کے حِلم کا محتاج ہے ۔

شَرح : بَندہ کا کمال اور مرتبہ اور تمام عبادات کا اصلی مقصود یہ ہے کہ بَندہ کی نظر ہر اَمر میں اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہو جیسے بھک منگا سَائل ہوتا ہے ۔ اور بَندہ کی پستی اور ہلاکت اس میں ہے کہ اپنے نَفس کی طرف متوجّہ ہو اور اپنے عمل کو پسند کرے اور اپنے فِعل کو اچھا جَانے اور اپنی قَدر اس کے دل میں ہو ایسا بَندہ اللہ کی بارگاہ سے مَردُود ہوتا ہے ۔ اس کے بعد سمجھو کہ مومن کی شان گناہ صادر ہو جانے کے بعد یہ ہے کہ انکسار ، عاجزی ، ندامت ، ذلّت اور اپنے نَفس کی نفریں اور بارگاہِ الٰہی میں تضرّع و زاری و توبہ پیدا ہوتی ہے ۔ یہی صفت عین مقصود اور بندگی کا کمال ہے اور طاعت و عبادت کے بعد بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ نَظر اس عمل پر ہوتی ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو مطیع ، عابد اور حق کا ادا کرنے والا اور مستحقِ ثواب جانتا ہے ، تو اس حالت میں اس کی نظر اپنے نَفس پر ہوئی ، تو اس وَقت عجب نہیں کہ اس پر غضبِ الٰہی ہو اور نارَضامندی کا مَورد بنے ۔ پَس ایسی طاعت پر یہ بَندہ حِلم خداوندی کا گناہ کرنے کے وقت سے زیادہ محتاج ہے ۔

خدا کی قسم تیرا جاہل کا ہم نشین ہونا جو اپنے نفس سے ناراض ہے تیرے لیے اس عالم کی صحبت سے جو اَپنے نَفس سے رَضامَند ہے زیادہ بہتر ہے ، کیونکہ اس عالم کے لیے جو اپنے نفس سے رَاضی ہے اس کا عِلم کیا مفید ہے اور اس جاہل کے لیے جو اپنے نَفس سے ناراض ہے اس کا جہل کیا مُضر ہے ۔

شَرح : کیونکہ عالم کی صحُبت نَافع اَور جاہل کی مُضر ہونا سب کے نزدیک مُسلّم ہے ۔ اس لیے قَسم کھا کر شیخ فرماتے ہیں کہ جو شخص علومِ ظاہرہ سے جاہل ہو ، لیکن وہ اپنے نَفس سے ناراض ہے اور اس کے قَلب میں اذعان اور یقین اس اَمر کا رَاسخ ہے کہ میرا نَفس مجموعہ ہے تمام شرور و نقائص کا اور مَیں سراپا عیب و نقصان ہوں اور اپنی خوبی و کمال کا بھُول کر بھی وَہم و شُبہ اس کو نہیں ہوتا ، تو یہ شخص کامل ہے ۔ اس لیے کہ جو شے جَڑ ہے تمام طاعات کی اور کمالات کی وہ اس کو حاصل ہے ۔ تو اس کی صحبت تیرے لیے بہتر ہے ۔ گویا دَر حقیقت وہ شخص جاہل ہی نہیں اور جو شخص علومِ ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اس کو پَسند کرتا ہو ، تو خواہ علمی دقائق اس کے اندر ہوں ، لیکن صحُبت مضر ہے اس لیے کہ جو چیز ہر عیب و غفلت اور معصیّت کی جَڑ ہے وہ اس کے اندر موجود ہے اور گو اس کا ظاہری علم بظاہر اس کو شریعت کا پابند بنائے ہوئے ہے ، لیکن اس کی حالت خطرناک ہے اور اس پر کسی طرح اطمینان نہیں ہے ۔ اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی اپنا رَنگ لائے بغیر نہ رَہے گا ۔ اور جو اس کی صحبت میں رہے گا ، تو چونکہ صحبت کا اثر مسلّمات میں سے ہے اس لیے اس کے اَندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہو گا ۔ کہ اپنی تحقیقاتِ علمیہ اور اپنے حال کو پسند کرے گا ۔ اور یہ عینِ غفلت ہے ، اور یہ مَرض بہت دَقیق ہے اس لیے کہ جس کے اندر ہوتا ہے اس کو خود اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لیے کہ اس مرض کی حقیقت ہی اپنے حال کو پسندیدگی کی نَظر سے دیکھنا ہے ۔

شیخ المشائخ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے رَسالہ "اسٹرائک" میں فرماتے ہیں کہ جس ماحول (جو شریعت و طریقت کا مخزن تھا) میں اس سیاہ کار کی پَرورش ہوئی ۔ اس میں شیطانی جرائم حیوانی جرائم سے بہت زیادہ شدید سمجھے جاتے تھے ۔ پھر جوں جوں رَوایاتِ حدیث پر نَظر ہوئی یہ چیزیں دِل میں جگہ ہی پکڑتی گئیں ۔

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لئے کتاب کی دو جلدیں دفتر میں ضرور بھیجئے۔ — مدیر

فصوص الحکم

سرزمین اندلس کے نابغہ روزگار بزرگ، امام معرفت الشیخ محی الدین محمد بن علی رحمہ اللہ تعالےٰ اتنے بڑے انسان تھے کہ انہیں شیخ اکبر کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ان کی متعدد تصانیف میں فصوص الحکم کو جو اہمیت حاصل ہے اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مختلف ادوار میں مختلف زبانوں میں لوگوں نے اس کے تراجم کئے اور شرحات لکھیں عربی، فارسی شرحات اور اردو تراجم کئی ایک تو شائع شدہ ہیں جن سے بندگان خدا فائدہ حاصل کر رہے ہیں —— مولانا عبدالقدیر صدیقی مترجم کتاب ہذا کے بقول:

فصوص الحکم میں الشیخ قرآن شریف میں انبیاء کے قصوں اور ان کے حالات میں جو کچھ آیا ہے ان سے یا تو بطور تفسیر کے یا بطور اعتبار کے مسائل توحید و تصوف کا استنباط کرتے ہیں۔

مترجم مولانا عبدالقدیر صدیقی رحمہ اللہ تعالےٰ بڑے بالغ نظر اور صاحب معرفت بزرگ تھے اللہ تعالےٰ نے انہیں قلب صافی کی نعمت سے نوازا تھا اکابر اولیاء کرام اور اسلاف امت کی علم و معرفت سے بھرپور کتب پر ان کی گہری نظر تھی اور ان کے اسرار و رموز کو کھولنے میں انہیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ ان جیسا آدمی بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ وہ اس کتاب کا ترجمہ کرے تاکہ عربی زبان سے ناواقف لوگ اس سے حظ اٹھا سکیں۔

سلاست و روانی سے بھرپور یہ ترجمہ نذیر سنز جیسے باوقار ادارہ نے کتاب کو تمامتر ظاہری خوبیوں سے آراستہ کر کے چھاپا ہے ۴۵/- روپے میں یہ نسخہ مبارکہ نذیر سنز پبلشرز ۴۰، اے اردو بازار لاہور سے دستیاب ہے۔ فوری حاصل کریں ورنہ دوسرے ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے گا۔

انوارالسنن

مولانا قاضی عبیداللہ صاحب نقشبندی کے افادات کا یہ مجموعہ مولانا قاضی شمس الدین علوی نے تالیف کیا ہے۔ امام ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالےٰ کی مشہور کتاب "بلوغ المرام" کے طرز پر اسے مرتب کیا گیا ہے، اور امام ابو حنیفہ قدس سرہ کے مستدلات کو جمع کر کے برادران احناف پر احسان کیا گیا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ آئندہ ایڈیشن ٹائپ کی خوبصورت کتابت میں شائع کیا جائے۔ بہرحال کتاب خوب ہے ملنے کا پتہ مکتبہ مدرسہ عبیدیہ نقشبندیہ مجددیہ بلاک ۳ ڈیرہ غازی خان۔

تفسیرات عبیدیہ

یہ کتاب بھی عربی زبان میں مولانا قاضی عبیداللہ نقشبندی مجددی کے کاوش کا نتیجہ ہے — "ربط آیات القرآن" کے اعتبار سے یہ مجموعہ بڑا اہم اور قابل قدر ہے اور مصنف علام کی سالہا سال کی محنتوں اور ریاضت علمی کا

نتیجہ ۵۰/۲۳ روپے میں پتہ بالا سے حاصل کریں۔

مرآۃ التناقیح

حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کی مختصر قابل قدر شرح جسے وقت کے اجل علماء کرام نے تحسین کی نظروں سے دیکھا مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی نے اپنی تقریظ میں کتاب کو بے حد سراہا ہے اور مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتانی نے مرتب موصوف کی محنت کو لائق تحسین بتایا ہے۔ سادات احناف کی تائید میں یہ شرح خوب ہے قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ وہی ——

اوجِ ثریّا

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب قریشی امام سرحد مہتمم جامعہ اشرفیہ پشاور اس سے قبل متعدد قیمتی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اوج ثریا ان کے قلم کا تازہ شاہکار ہے روزے کے احکام و مسائل اور فضائل احادیث مبارکہ کی روشنی میں بڑے اہتمام سے مرتب کئے گئے ہیں۔ قابل قدر اور لائق مطالعہ ہے ۱۵/- روپے میں یہ رسالہ جامعہ اشرفیہ علامہ عبدالودود، قریشی روڈ پشاور سے دستیاب ہے۔

انصاف

ہمارے فاضل رفقاء مولانا محمد صابر، مولانا عبدالسلام اور مولانا محمد امتیاز کی مشترکہ کاوشوں سے مرتب شدہ یہ مجموعہ مرتبین کے اپنے الفاظ میں عامۃ المسلمین کی رہنمائی کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ مقصد اسلام کے اس اصل نقشہ کو ظاہر کرنا ہے جو قرآن و حدیث کے ٹھوس دلائل، فقہائے احناف کے مستند حوالہ جات اور بزرگان دین کے اقوال سے ثابت ہے۔

مرتبین نے بہرطور محنت کر کے یہ مجموعہ مرتب کیا ہے اور ضرورت ہے کہ اسے اہتمام کے ساتھ پھیلایا جائے اور تشہیر کی جائے۔ دس روپے میں یہ رسالہ جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک سے دستیاب ہے۔

کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت

تشریح اور مفہوم

اسلام کے بنیادی کلمات کی تشریح و مفہوم پر مشتمل یہ رسالہ دارالعلوم حقانیہ کے فاضل مولانا جلال الدین صاحب نے مرتب کیا ہے۔ موصوف نے اقوال سلف کی روشنی میں کلمات مبارکہ کے مفہوم کو سادہ اور سلیس زبان میں پیش کیا ہے تاکہ عام مسلمان اس سے فائدہ حاصل کر سکیں۔ مولانا عبیداللہ انور کے ابتدائیہ کے ساتھ یہ خوبصورت رسالہ ۴/- روپے میں دارالعلوم خضریہ محلہ پراچگان بھیرہ ضلع سرگودھا سے حاصل کریں۔

بقیہ: نظارۃ المعارف

جنگِ عظیم اول اور دوسرے حوادث کے سبب وہاں تو وہ سلسلہ بہت کم دیر چلا مگر مولانا سندھی تھے تو اپنی وفات ۱۹۴۴ء تک اور مولانا لاہوری تھے تو اپنی وفات ۱۹۶۲ء تک ایک دن بھی اس بنیادی کام سے غافل نہ ہوئے اور یہی ایک بندہ مومن کی شان ہے —— اللہ تعالیٰ ان اکابر کو اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے اور ان کے چھوڑے ہوئے کام کی تکمیل کی ان کے اخلاف کو توفیق بخشے، سعادت مند ہیں وہ لوگ جن کی عمریں قرآن عزیز کی نذر ہو رہی ہیں اس لئے کہ اس سے بڑھ کر نہ کوئی خدمت ہے نہ سعادت —— اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد —— اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ — واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ابوالکلامیات

سیاسی زندگی نے مجھے ڈھونڈ نکالا!

مرسلہ ڈاکٹر شیر بہادر خان پنی، ایبٹ آباد

ابتدا ہی سے طبیعت کی اُفتاد کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ حکومت کا خواہاں، حکومت سے گریزاں رہتا تھا یہ ظاہر کہ زندگی کی مشغولیتوں کے تقاضے اس طبع وحشت سرشت کے ساتھ نبھائے نہیں جا سکتے۔ اس لئے بہ تکلّف خود کو انجمن آرائیوں کا خوگر بنانا پڑتا ہے۔ مگر دل کی طلب ہمیشہ بہانے ڈھونڈتی رہتی ہے جونہی فرصت کے تقاضوں سے مہلت ملی اور وہ اپنی کام جوئیوں میں لگ گئی۔

طبیعت کی اس افتاد نے بڑا کام یہ دیا کہ زمانہ کے بہت سے حربے میرے لئے بے کار ہو گئے۔ لوگ اگر میری طرف سے رخ پھیر لیتے ہیں تو بجائے اس کے کہ دل گلہ مند ہو، اور منّت گذار ہونے لگتا ہے۔ کیونکہ جو ہجوم لوگوں کو خوشحال کرتا ہے۔ میرے لئے بسا اوقات ناقابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔ مَیں اگر عوام کا رجوع و ہجوم گوارا کرتا ہوں تو میرے اختیار کی پسند نہیں ہوتی۔ مَیں نے سیاسی زندگی کے ہنگاموں کو نہیں ڈھونڈا تھا سیاسی زندگی کے ہنگاموں نے مجھے ڈھونڈ نکالا۔ میرا معاملہ سیاسی زندگی کے ساتھ وہ ہوا جو غالب کو شاعری کے ساتھ ہوا تھا ؎

ما نہ بودیم بدیں مرتبہ راضی غالبؔ
شعر خود خواہش کرد کہ گردد فنِّ ما

"...... جب کبھی مَیں قید خانہ میں سنا کرتا ہوں کہ فلاں قیدی کو قید تنہائی کی سزا دی گئی تو حیران رہ جاتا ہوں کہ تنہائی آدمی کے لئے سزا کیسے ہو سکتی ہے، اگر دنیا اس کو سزا سمجھتی ہے تو کاش ایسی سزائیں عمر بھر کے لئے حاصل کی جا سکیں۔"

بقیہ: مال وجاہ کا ترک

حیوانی جرائم میں سے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پاک ارشاد من قال لآ الٰہ الّا اللہ دخل الجنّة وان زنی وان سرق علیٰ رغم انف ابی ذرّ[1] اور شیطانی جرائم میں لآ یدخل الجنّة من کان فی قلبہ مثقال حبّة من کبر[2] پہلی نوع میں "ھلّا سترتہ بردائك[3]"۔ اور دوسری میں حضرت ابوذرؓ کے تعییر بالامّ میں حضور صلّی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک ارشاد انك امرؤ فیك جاھلیة[4]" نے دوسری نوع کی نفرت دل میں اس قدر سخت کر دی کہ اس کی کراہیت جذرِ قلب میں بیٹھ گئی۔ حضرت آدم علیٰ نبیّنا وعلیہ السّلام کا جرم پہلی نوع کا تھا۔ خود حق تعالیٰ نے کلماتِ توبہ القا فرما کر توبہ قبول کر لی اور ابلیس کا جرم دوسری نوعیت کا تھا، "فاخرج فیھا انّك رجیم وانّ علیك لعنتی الیٰ یوم الدّین" کا ابدی پروانہ قیامت تک کی لعنت ملا۔

---

[1] عن ابی ذرؓ قال اتیت النّبی صلی اللہ علیہ والہ وسلّم وعلیہ ثوب ابیض وھو نائم۔ ثمّ اتیتہ وقد استیقظ فقال ما من عبد قال لا الٰہ الا اللہ ثمّ مات علی ذٰلك الّا دخل الجنّة وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق، قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق، قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علیٰ رغم انف ابی ذر وکان ابو ذر اذا حدث بھذا قال وان رغم انف ابی ذر، متفق علیہ۔

[3] حضرت ماعز رضی اللہ عنہ نے حضرت ھزالؓ کے مشورہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر چار دفعہ زنا کے بارے میں اقرار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے شرعی قاعدہ کے مطابق ان کو رجم کرنے کا حکم فرمایا، لیکن حضرت ھزالؓ سے فرمایا کہ اگر تو اس کی پردہ پوشی کر لیتا، تو تیرے لیے بہتر تھا۔

[4] حضرت ابوذرؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ایک دفعہ مَیں نے اپنے ایک غلام کو بطور گالی اور عار کرنے کے کہہ دیا تھا" او کالی کے بیٹے" اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے ابوذرؓ! تم نے اس کو اس کی ماں کی گالی دی ہے؟ تم ایسے ہو کہ تمہارے اندر ابھی جاہلیت کی ایک خصلت ہے۔

منظور شدہ ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۰۷۶۷/۹/۳۹-۹ D.D. مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو نمبر G.۰۴/ب ۱۵۴۱۰ ۳ مئی ۶۴ء

